۲۱۔الانبیاء

نام اس سورہ میں متعدد انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہوا ہے۔اس مناسبت سے اس کا نام ''الانبیاء'' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہوگی۔خصوصاً آخری آیات سے جن میں پیغمبر نے فیصلہ کے لئے دعا کی ہے۔

مرکزی مضمون لوگوں میں خدا کے حضور جوابدی کا احساس پیدا کرنا ہے تا کہ ان کی نظر کے زاویے اور عمل کا رُخ بدل جائے۔انبیاء علیہم السلام غفلت میں پڑی ہوئی قوموں کو یہ سبق برابر یاد دلاتے رہے ہیں۔لیکن لوگ سنبھلنے کے بجائے الٹ ان کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔البتہ یہ بھی واقعہ ہے کہ نصرت الٰہی ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ رہی،اور وہ خصوصی فضل وعنایت سے نوازے جاتے رہے ہیں۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۱۵ میں لوگوں کو ان کی غفلت پر جھنجھوڑا گیا ہے اور رسولوں کی مخالفت کرنے والوں کا،جو انجام اس سے پہلے ہو چکا ہے اس سے خبردار کر دیا گیا ہے۔

آیت ۱۶ تا ۱۸ میں واضح کیا گیا ہے کہ اس دنیا کو اس کے خالق نے تفریح گاہ نہیں بنایا ہے بلکہ حق و باطل کی رزم گاہ بنایا ہے۔

آیت ۱۹ تا ۳۳ میں توحید کا بیان ہے۔

آیت ۳۴ تا ۴۷ میں رسالت سے متعلق شبہات کا جواب دیا گیا ہے،اور رسول کا مذاق اڑانے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے۔

آیت ۴۸ تا ۹۴ میں انبیاء علیہم السلام کے احوال پیش کئے گئے ہیں۔جن سے ایک طرف ان کی تعلیم کو پیش کرنا مقصود ہے اور دوسری طرف یہ واضح کرنا ہے کہ ان کے حق میں اللہ کی قدرت ورحمت کے کیسے کیسے کرشمے ظہور میں آتے رہے ہیں۔

آیت ۹۵ تا ۱۱۲ سورہ کا آخری حصہ ہے جس میں منکرین کو عذاب سے آگاہ کیا گیا ہے اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری سنائی گئی ہے۔ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ رسول کی بعثت دنیا والوں کے حق میں سراسر رحمت ہے۔اگر وہ اس کی ناقدری کریں تو اپنا ہی نقصان کریں گے۔

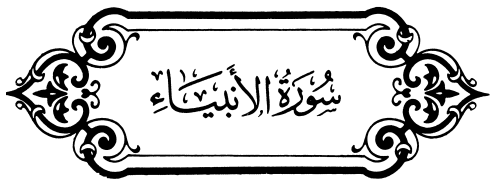

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ①

مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ②

لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ③

قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ④

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ⑤

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ⑥

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑦

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ⑧

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ⑨

۲۱۔ سُورۃُ الانبیاء

آیات ۱۱۲

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ قریب آلگا ہے لوگوں کے لئے ان کے حساب کا وقت اور وہ ہیں کہ غفلت میں رُخ پھیرے چلے جارہے ہیں۔۱؎

۲ ان کے رب کی طرف سے جو تازہ یاددہانی بھی آتی ہے اُس کو وہ اِس طرح سنتے ہیں کہ کھیل میں لگے رہتے ہیں۔۲؎

۳ ان کے دل غافل ہیں ۳؎ اور یہ ظالم چپکے چپکے سرگوشی کرتے ہیں کہ یہ تم جیسا ہی تو ایک بشر ہے پھر کیا تم آنکھوں دیکھے جادو کے پاس جاؤ گے؟ ۴؎

۴ اس نے (رسول نے) کہا میرا رب جانتا ہے جو بات بھی آسمان و زمین میں کی جائے وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ ۵؎

۵ انہوں نے یہاں تک کہا کہ یہ تو خواب پریشاں ہیں بلکہ یہ اس کا من گھڑت (کلام) ہے بلکہ یہ شاعر ہے ۶؎۔ ورنہ یہ ہمارے پاس کوئی ایسی نشانی لائے جس طرح اگلے وقتوں کے رسول نشانیوں کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔

۶ ان کے پہلے کوئی بستی بھی جس کو ہم نے ہلاک کیا ایمان نہیں لائی ۷؎ پھر کیا یہ لوگ ایمان لائیں گے؟ ۸؎

۷ اور تم سے پہلے ہم نے آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا جن پر ہم وحی کرتے تھے۔ اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر (اہل کتاب) سے پوچھ لو۔ ۹؎

۸ ان کو ہم نے ایسے جسم کا نہیں بنایا تھا کہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔ ۱۰؎

۹ پھر ہم نے ان سے وعدہ پورا کیا اور انہیں اور جن کو ہم نے چاہا بچا لیا۔ اور حد سے گذرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔

۱ے حساب کے وقت سے مراد قیامت کی گھڑی ہے، جب ہر شخص کو خدا کے حضور اپنے عقیدہ وعمل کے بارے میں جوابدہی کرنا ہوگی۔ جوابدہی کا یہی تصور ہے جو انسان کے اندر احساس ذمہ داری پیدا کرتا ہے۔ اور اسے اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گذارنے پر آمادہ کرتا ہے۔ مگر ہر زمانہ میں لوگ اس اہم ترین حقیقت کی طرف سے بے پرواہ رہے ہیں۔ آج بھی اربوں انسان اس بات سے بالکل بے خبر ہیں کہ مستقبل قریب میں انہیں باز پرس کے مرحلے میں داخل ہونا ہے۔ قرآن کا یہ بیان مدہوش انسانیت کو ہوش میں لانے والا ہے اگر وہ اس پر غور کرے، مگر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ قیامت اور حساب کی باتیں سننا ہی نہیں چاہتے۔ وہ صرف ایسی باتیں سننا چاہتے ہیں جن سے ان کی خرمستیوں میں اضافہ ہوتا ہو۔

حساب کی گھڑی کے قریب آ لگنے کا مطلب یہ ہے کہ اب نوع انسانی اپنے دور کے آخری مرحلے میں داخل ہوگئی ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **بُعِثْتُ اَنَاوَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ** (مسلم کتاب الفتن) ''میں اور قیامت کی گھڑی ان دو انگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ بھیجے گئے ہیں''۔ نیز حساب کی گھڑی اس اعتبار سے بھی قریب ہے کہ آدمی کے اور موت کے درمیان بہت تھوڑا فاصلہ ہے۔ جب موت آجاتی تو وہ حساب ہی کے مرحلہ میں داخل ہوجاتا ہے اور اسی وقت سے جزا وسزا کا آغاز ہوجاتا ہے۔

۲ے یعنی قرآن کی جو سورہ نازل ہوتی ہے، ایک نئی شان تذکیر کے ساتھ لاتی ہے۔ مگر یہ لوگ اتنے غیر سنجیدہ واقع ہوئے ہیں کہ اس سے یاددہانی حاصل کرنا تو درکنار الٹا اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

یہ حال جاہل عربوں ہی کا نہیں تھا آج کے ''دانشوروں'' کا بھی یہی حال ہے۔ وہ خدا اور مذہب کے معاملہ میں اتنے غیر سنجیدہ واقع ہوئے ہیں کہ جہاں جنت اور دوزخ کی بات آئی انہوں نے پھبتی چست کردی۔

۳ے یہ اصل وجہ ہے ان کی غیر سنجیدہ حرکتوں کی، کہ ان کے دل خدا کی طرف سے غافل اور دنیا کی طرف راغب ہیں۔

۴ے یعنی یہ شخص جو کلام پیش کرتا ہے اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں، محض الفاظ کی جادوگری ہے جس سے لوگ متاثر ہوجاتے ہیں۔ پھر کیا تم جانتے بوجھتے جادو کے پھندے میں پھنسو گے ؟

۵ے یہ پیغمبر کا قول ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اور مشرکین کی سرگوشیوں کا جواب ہے۔

۶ے منکرین پیغمبر اور قرآن کے بارے میں مختلف خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ کبھی کہتے یہ جادوگری ہے، کبھی کہتے ہیں کہ الجھے ہوئے خوابوں کا مجموعہ ہے، کبھی کہتے یہ من گھڑت باتیں ہیں، اور کبھی کہتے یہ شخص شاعر ہے اور قرآن اس کے شاعرانہ تخیل کی پرواز ہے۔ اس سے خود منکرین کے الجھی ہوئی ذہنیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ کبھی وہ ایک بات کہتے اور جب وہ چسپاں نہ ہوتی تو دوسری بات کہتے، اور جب وہ موزوں قرار نہ پاتی تو تیسری بات کہتے اور جب وہ بھی فٹ نہ ہوتی تو چوتھی بات کہتے۔ اس طرح ایک نہ ایک الزام لگا کر حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے۔

۷ے یعنی حسی معجزہ دیکھ کر کوئی بستی بھی ایمان نہیں لائی تھی۔

۸ے یعنی اگر اس پیغمبر کے ہاتھوں کوئی حسی معجزہ ان لوگوں کو ان کے مطالبہ پر دکھادیا جائے تو یہ لوگ، اس کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ کیوں کہ ہٹ دھرم لوگوں کا طریقہ یہی ہے۔

۹ے اس کی تشریح سورۂ نحل نوٹ ۶۴ے اور ۶۵ے میں گذر چکی۔

۱۰ے یعنی جو پیغمبر بھی بھیجے گئے وہ سب کھانا کھانے والے انسان تھے۔ فوق البشر (Super - Human) کوئی بھی نہیں تھا اور نہ کوئی ہمیشہ کے لئے دنیا میں زندہ رہا۔ جو چیز پیغمبر کو دوسرے انسانوں سے ممتاز کرتی رہی ہے وہ اس پر وحی الٰہی کا نزول ہے۔ اس آیت سے اس خیال کی بھی تردید ہوتی ہے کہ حضرت خضر دنیا میں ہمیشہ کے لئے زندہ ہیں۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰

۱۰ ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب بھیجی ہے جس میں تمہارے لئے یاددہانی ہے۔کیا تم سمجھتے نہیں؟

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝۱۱

۱۱ اور کتنی ہی ظالم بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسرے لوگوں کو اٹھا کھڑا کیا۔

فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝۱۲

۱۲ جب انہوں نے ہمارا عذاب محسوس کیا ۱۱؎ تو لگے وہاں سے بھاگنے۔

لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔـلُوْنَ ۝۱۳

۱۳ بھاگو نہیں۔لوٹو اپنے سامان عیش اور اپنے گھروں کی طرف تاکہ تم سے پوچھا جائے۔ ۱۲؎

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۱۴

۱۴ وہ پکار اٹھے افسوس ہم پر۔ہم ہی ظالم تھے۔ ۱۳؎

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ۝۱۵

۱۵ وہ یہی واویلا کرتے رہے یہاں تک کہ ہم نے ان کو کٹے ہوئے کھیت کی طرح کر دیا ۱۴؎۔وہ بالکل بجھ کر رہ گئے۔ ۱۵؎

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاۗءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝۱۶

۱۶ ہم نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کے طور پر نہیں بنایا ہے۔ ۱۶؎

لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۙ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝۱۷

۱۷ اگر ہم کھیل بنانا چاہتے تو خاص اپنے پاس سے بنا لیتے اگر ہمیں ایسا کرنا ہی ہوتا۔ ۱۷؎

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَي الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ۝۱۸

۱۸ مگر ہم تو باطل پر حق کو دے مارتے ہیں تو وہ اس کا سر کچل دیتا ہے اور وہ (باطل) نابود ہو جاتا ہے ۱۸؎۔اور تمہارے لئے تباہی ہے ان باتوں کی وجہ سے جو تم بیان کرتے ہو۔ ۱۹؎

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝۱۹

۱۹ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی ہے سب اسی کے ہیں ۲۰؎۔اور جو اس کے پاس ہیں ۲۱؎۔وہ نہ اس کی عبادت سے سرتابی کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝۲۰

۲۰ رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔دم نہیں لیتے۔ ۲۲؎

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۝۲۱

۲۱ کیا انہوں نے زمین کے ایسے خدا بنا لئے ہیں جو (مُردوں کو) زندہ کھڑا کرتے ہوں۔ ۲۳؎

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۲۲

۲۲ اگر ان (آسمان وزمین) میں اللہ کے سوا اور بھی خدا ہوتے تو یہ درہم برہم ہو کے رہ جاتے ۲۴؎۔پس پاک ہے اللہ عرش کا رب ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔

۱۱؎ یعنی جب عذاب کے آثار دیکھ لئے۔

۱۲؎ یہ طنزیہ کلام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اب بھاگتے کیوں ہو۔ تم تو عذابِ قبر کا مذاق اڑاتے رہے۔ لہٰذا اگر تمہارے بس میں ہے تو اپنے سامانِ تعیش اور اپنے عشرت کدوں کی طرف لوٹو، تاکہ تمہارے ساتھی تمہارا حال (خیریت) معلوم کر سکیں کہ کیا حادثہ پیش آیا جو تم اپنے گھر بار چھوڑ کر چلے گئے تھے؟

۱۳؎ اس وقت انہوں نے اپنے خطا کار ہونے کا اعتراف کیا اور اپنے کئے پر پچھتائے۔

۱۴؎ یعنی ان کا حال اس کھیت کا سا ہو گیا جس کی فصل کٹ چکی ہو اور وہ خس و خاشاک ہو گیا ہو۔

۱۵؎ یعنی زندگی کی حرارت غائب ہو گئی اور وہ بالکل بے حس و حرکت ہو کر رہ گئے۔

۱۶؎ آخرت کا انکار کرنے کے بعد آدمی اس کائنات کے پیدا کئے جانے کی کوئی صحیح توجیہ نہیں کر پاتا۔ ایسے لوگوں کے نزدیک اس کائنات کا وجود خدا کے سنجیدہ فیصلہ کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ محض بہلاوے کا سامان ہے جو اس نے اپنے لئے کر لیا ہے۔ ہندو فلسفی اسے لیلا سے تعبیر کرتے ہیں۔:

"In the beginning God was alone, and he desired to become many. As a Consequence, he Created the world out of mere pleasure, as a Sport (Lila). (Outlines of Hindusim by T.M.P. Mahadevan P.163)

''یعنی آغاز میں خدا اکیلا تھا اس نے کثرت میں تبدیل ہونا چاہا جس کے نتیجے میں اس نے دنیا کی تخلیق، محض بہلاوے کے لئے کھیل ''لیلا'' کے طور پر کی۔''

واقعہ یہ ہے کہ خدا کو وہی لوگ غیر سنجیدہ سمجھتے ہیں جو خود غیر سنجیدہ ہوتے ہیں۔

۱۷؎ یعنی کھیل بنانا ہماری شان کے خلاف ہے۔ لیکن بالفرض ہمیں کھیل بنانا ہوتا تو ہم اپنے پاس سے اس کا سامان کر لیتے۔ اس کے لئے اس عظیم الشان کائنات کو وجود میں لانے اور انسان جیسی باشعور اور مکلف مخلوق پیدا کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کارخانہ کسی کھلنڈرے کا کھیل نہیں ہے بلکہ اس کا ایک مقصد اور اس کی ایک غایت ہے۔

۱۸؎ یعنی یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ یہ دنیا تماش گاہ ہے اور تماش بین۔ بلکہ ہم نے اس دنیا کو امتحان گاہ بنایا ہے اور انسان کا ہم امتحان لے رہے ہیں۔ اس لئے یہ دنیا حق و باطل کی رزم گاہ بن گئی ہے، گو نتائج کا ظہور آخرت میں ہوگا، جہاں حق ہی حق ہوگا اور باطل بالکل نابود ہو چکا ہوگا۔ تاہم اس دنیا میں بھی ہم حق کے ذریعہ باطل پر ضرب کاری لگانے کا سامان کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ انسانی تاریخ میں بار بار ایسا ہوا ہے کہ جب باطل نے سر اٹھایا تو ہم نے اپنے رسولوں کے ذریعہ اس کی سرکوبی کی۔ حق غالب ہو کر رہا اور باطل کو نابود ہو جانا پڑا۔ اس پیغمبر کے ذریعہ بھی حق کو باطل پر غالب آنا ہے اور یہ قرآن تو اللہ کی وہ حجت ہے جس کے سامنے باطل ہرگز ٹک نہیں سکتا۔ اس کے بعد وہی لوگ اس دنیا کو تماش گاہ قرار دے سکتے ہیں، جنہوں نے حقیقت کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں۔

۱۹؎ یعنی خدا کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کر کے تم اپنی ہی تباہی کا سامان کر رہے ہو۔

۲۰؎ یعنی وہ سب کا مالک ہے سب اس کے مملوک اور غلام۔

۲۱؎ مراد مقرب فرشتے ہیں۔

۲۲؎ جس طرح انسان سانس لینے سے نہیں تھکتا اسی طرح فرشتے تسبیح کرنے سے نہیں تھکتے۔ وہ ہمیشہ اللہ کی حمد و ثناء کرنے میں زمزمہ سنج رہتے ہیں۔

ان آیات میں ملاءِ اعلیٰ کی ایک جھلک دکھائی گئی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دربار کس شان کا ہوگا! اس سے اللہ کی عظمت کا صحیح تصور بھی قائم ہو جاتا ہے اور تسبیح و عبادت سے گہرا لگاؤ بھی۔

۲۳؎ مشرکین سمجھتے ہیں کہ جو آسمان کا خدا ہے وہ زمین کا تنہا خدا نہیں ہے۔ بلکہ بہت سے چھوٹے چھوٹے خدا (دیوتا) ہیں، جو زمین کا سارا نظام سنبھالے

ہوئے ہیں۔اور وہی ہیں جو انسان کو نفع اور نقصان پہنچاتے رہے ہیں۔اسی کی تردید میں ان سے یہ سوال کیا گیا ہے کہ کیا تمہارے نزدیک زمین کے اور بھی خدا ہیں؟ اور کیا یہ خدا تم کو مرنے کے بعد زمین سے دوبارہ کھڑا کر دینے والے ہیں کہ تم ان کی پوجا پاٹ کرتے رہے،اس کے بدلہ میں وہ تم کو انعام سے نوازیں گے؟اگر ایسا نہیں ہے۔۔۔۔۔اور تم خود یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ یہ ہمیں مرنے کے بعد اٹھا کھڑا کر دینے والے ہیں،تو پھر ان کو پوجنے کا کیا فائدہ؟ مر کر اگر دوبارہ تم کو اٹھنا ہی نہیں ہے تو تمہارے یہ خدا آخر تمہارے کب کام آنے والے ہیں؟

۲۴۔ یعنی اگر زمین و آسمان میں متعدد خدا ہوتے تو کائنات کا یہ نظام چل نہیں سکتا تھا۔ ہر خدا اپنے اختیار کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتا۔اس صورت میں وہ نظم باقی نہیں رہ سکتا تھا جو اس کائنات میں قائم ہے،اور نہ اس کے مختلف اجزاء ایک دوسرے سے موافقت پیدا کر سکتے تھے۔اور نہ کسی منصوبہ اور اسکیم کے ساتھ اس کائنات میں کوئی کام انجام پاتا۔مثال کے طور پر بارش کے لئے زمین،سمندر،سورج اور ہوائیں سب کی موافقت ضروری ہے ورنہ انسان کے لئے زمین کے گوشہ میں پانی پہنچانے کی یہ اسکیم روبہ عمل نہیں آسکتی۔اگر یہ چیزیں الگ الگ خداؤں کے تصرف میں ہوتیں تو بارش کا یہ انتظام کس طرح ممکن تھا ؟

یہ توحید کی زبردست دلیل ہے اور اس سے شرک اور الحاد دونوں کی تردید ہوتی ہے۔اگر یہ کائنات بے خدا ہوتی تو یہ کارخانہ اس باقاعدگی کے ساتھ کس طرح چل سکتا تھا؟

وہ جو کچھ بھی کرتا ہے (کسی کے آگے) جوابدہ نہیں۔ اور سب
جوابدہ ہیں۔ کیا انہوں نے اس کو چھوڑ کر اور معبود بنا لئے ہیں؟
ان سے کہو پیش کرو اپنی دلیل، یہ تعلیم میرے ساتھیوں کے لئے
ہے اور یہی تعلیم مجھ سے پہلے لوگوں کے لئے بھی تھی۔ مگر اکثر
لوگ حقیقت سے بے خبر ہیں اس لئے رُخ پھیرے ہوئے
ہیں۔ ہم نے تم سے پہلے جو بھی رسول بھیجا اس پر یہی وحی کی کہ
میرے سوا کوئی خدا نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔ (القرآن)

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے (کسی کے آگے) جوابدہ نہیں ۲۵۔ اور سب جوابدہ ہیں۔ ۲۶۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴ کیا انہوں نے اس کو چھوڑ کر اور معبود بنا لئے ہیں؟ ان سے کہو پیش کرو اپنی دلیل، یہ تعلیم میرے ساتھیوں کے لئے ہے اور یہی تعلیم مجھ سے پہلے لوگوں کے لئے بھی تھی ۲۷۔ مگر اکثر لوگ حقیقت سے بے خبر ہیں اس لئے رُخ پھیرے ہوئے ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾

۲۵ ہم نے تم سے پہلے جو بھی رسول بھیجا اس پر یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔ ۲۸۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۙ ﴿۲۶﴾

۲۶ یہ کہتے ہیں رحمٰن نے (اپنے لئے) اولاد بنا لی ہے پاک ہے وہ۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ (اس کے) معزز بندے ہیں۔ ۲۹۔

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷ اس کے آگے بڑھ کر بات نہیں کرتے ۳۰۔ اور اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸ جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے سب سے وہ باخبر ہے۔ وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کی جس کے لئے اللہ پسند فرمائے ۳۱، اور وہ اس کے خوف سے لرزاں رہتے ہیں۔ ۳۲۔

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹ اور ان میں سے اگر کوئی کہدے کہ اس کے سوا میں خدا ہوں تو ہم اسے جہنم کی سزا دیں گے۔ ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ ۳۳۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰ کیا منکرین نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ آسمان و زمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں الگ کر دیا ۳۴۔ اور پانی سے تمام زندہ چیزیں پیدا کر دیں ۳۵۔ کیا پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے؟ ۳۶۔

وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱ اور ہم نے زمین میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے کہ ان کو لے کر لڑھک نہ جائے ۳۷۔ اور ان (پہاڑوں) میں درّے بنائے جو راستہ کا کام دیتے ہیں ۳۸۔ تاکہ لوگ راہ پائیں۔ ۳۹۔

وَجَعَلْنَا السَّمَاۗءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲ اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔ ۴۰۔ مگر یہ لوگ اس کی نشانیوں سے رُخ پھیرے ہوئے ہیں۔ ۴۱۔

۲۵۔ اللہ مختارِ کل اور مقتدر اعلیٰ ہے۔ اس لئے اس کے کسی کے آگے جوابدہ ہونے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا اور نہ کسی کو یہ حق پہنچتا ہے، کہ اس کے فیصلوں اور اس کے کاموں پر اعتراض کرے۔

۲۶۔ چونکہ سب اللہ کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں اس لئے ہر ہر شخص اس کے حضور جوابدہ ہے۔ جو شخص اپنے کو اس کے حضور جوابدہ نہیں سمجھتا وہ اپنا مقام غلط تجویز کرتا ہے، جس کے نتیجہ میں اس کی پوری زندگی غلط ہو کر رہ جاتی ہے۔

۲۷۔ یعنی اللہ کے سوا کسی اور کے معبود ہونے کا ثبوت ربانی تعلیم میں موجود نہیں ہے۔ آج میرے (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے) ساتھیوں کو جو تعلیم دی گئی ہے وہ سراسر توحید ہی کی تعلیم ہے۔ اور جو تعلیم اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے پیروؤں کو دی گئی تھی وہ بھی توحید ہی کی تعلیم تھی۔

واضح رہے کہ مشرکوں کی مختلف مذہبی کتابوں میں متعدد خداؤں اور دیوتاؤں کا جو تصور ملتا ہے، تو یہ اس بات کی ہرگز دلیل نہیں ہے کہ یہ اللہ کا فرمان ہے یا کسی رسول کی تعلیم ہے۔ کیوں کہ یہ کتابیں اللہ کی نازل کردہ نہیں ہیں بلکہ اہل مذاہب کی مرتب کردہ ہیں۔

۲۸۔ لہٰذا مختلف مذاہب میں توحید کے خلاف جو تعلیم بھی پائی جاتی ہے وہ کسی بھی نبی کی تعلیم نہیں ہے۔ ایسی تعلیم اگر کسی نبی کی طرف منسوب کی گئی ہے تو وہ غلط ہے اور اس نبی پر بہتان ہے۔

۲۹۔ مشرکین فرشتوں کو اللہ کی اولاد قرار دیتے تھے یہ اس کی تردید ہے۔ فرمایا فرشتے اللہ کی اولاد نہیں بلکہ اس کے معزز بندے ہیں۔

۳۰۔ یعنی فرشتوں کی یہ مجال نہیں کہ اللہ کے آگے بات کرنے میں سبقت کریں۔ مگر تم اس خام خیالی میں مبتلا ہو کہ وہ اللہ کے لاڈلے ہیں جو چاہیں اس سے منوائیں۔

۳۱۔ یعنی فرشتے ان ہی کے حق میں شفاعت کریں گے جن کے حق میں شفاعت کرانا اللہ تعالیٰ منظور فرمائے، مقصود مشرکین کے اس خیال کی تردید کرنا ہے کہ اگر قیامت برپا ہو ہی گئی تو فرشتے، جن کی ہم پرستش کرتے رہے ہیں اللہ کے حضور ہماری شفاعت کر کے ہمیں عذاب سے بچالیں گے۔

شفاعت کی مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورہ بقرہ نوٹ ۲۵۵۔ اور سورہ مریم، نوٹ ۱۱۱۔

۳۲۔ فرشتے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اس کے باوجود اس کی خشیت سے وہ لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ انسان کے شایان شان بھی یہی ہے کہ وہ یہ ملکوتی صفت اپنے اندر پیدا کرے۔

۳۳۔ یعنی فرشتوں کو تم نے خدا بنا دیا ہے ورنہ وہ خدائی کے مدعی نہیں ہیں۔ وہ تو اللہ کی بندگی میں سرگرم رہتے ہیں۔ لیکن بالفرض ان میں سے کوئی خدائی کا دعویٰ کرے تو اس کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا، کہ اس جرم کی سزا یہی ہے۔

۳۴۔ یہاں کائنات کی ابتدائی حالت کو بیان کر کے غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ کائنات کے بارے میں یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ اس کو جس شکل میں ہم دیکھتے ہیں اسی طرح وہ ہمیشہ سے چلی آ رہی ہے۔ اس کا نہ کوئی آغاز ہے اور نہ انجام۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کائنات ایک خالق کے پیدا کرنے سے وجود میں آئی ہے اور اس کا آغاز یوں ہوا کہ اس نے پہلے ایک مادہ (دخان) تخلیق کیا (سورہ فصلت حٰم السجدہ آیت ۱۱) جو ایک تودے (Mass) کی شکل میں تھا۔ پھر اس مادہ سے زمین اور آسمان (تمام اجرام فلکی) بنائے۔ گویا زمین و آسمان آغاز میں ملے ہوئے تھے۔ بعد میں الگ الگ ہو گئے۔

جو شخص بھی غور و فکر کرے گا اس پر قرآن کے اس بیان کی صحت واضح ہوگی۔ کیوں کہ اگر کائنات کا مادہ ایک نہ ہوتا تو اس کے مختلف اجزاء کے اندر ہم آہنگی نہیں پائی جاسکتی تھی۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ سورج اپنی شعاعیں زمین پر ڈالتا ہے اور زمین اس کی تپش اور روشنی قبول کر لیتی ہے۔ اور اب تو انسان نے چاند پر پہنچ کر دیکھ لیا ہے کہ وہاں کی زمین بھی ہماری زمین ہی کی طرح مٹی اور پتھر سے بنی ہوئی ہے۔ اور جب حقیقت یہ ہے کہ یہ سب ایک صناع کی کاریگری ہے تو پھر اس کے تقاضوں سے منہ موڑنا کیا معنی ہیں؟

۳۵۔ یعنی پانی اصل حیات ہے۔ زندگی جس چیز کو بھی ملی ہے پانی ہی کے ذریعہ ملی ہے اور اس کا وجود پانی ہی کی بدولت قائم ہے۔ عام مشاہدہ بھی یہی ہے کہ پانی کے ایک قطرہ میں جرثومۂ حیات موجود ہوتا ہے اور اسی سے انسان اور حیوانات کی تخلیق ہوتی ہے۔ حیاتیات (Biology) کی رو سے بھی ایک مائی خلیہ پروٹو پلازم (Proto plasm) مادۂ حیات ہے، جو ہر جاندار مخلوق میں پایا جاتا ہے۔ کیا زندگی کی یہ حقیقت ایک خدا کی خلاقیت اور اس کی عظیم قدرت کا پتہ نہیں دیتی؟

۳۶۔ یعنی ان حقیقتوں پر اگر انسان غور کرے تو اس میں ایمان و یقین کی کیفیت پیدا ہو۔ مگر لوگ اس پہلو سے غور کرتے ہی نہیں۔

۳۷۔ اس کی تشریح سورۂ نحل، نوٹ ۲۶۔ میں گزر چکی۔

۳۸۔ پہاڑوں میں درے بنائے۔ یہ قدرتی راستے ہیں جن کے ذریعہ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں جانا انسان کے لئے ممکن ہوا۔

۳۹۔ راہ پانے سے مراد وہ راہ بھی ہے جس پر چل کر انسان اپنی منزل کو پہنچ جاتا ہے۔ اور وہ راہ بھی جس پر چل کر وہ اللہ کو پالیتا ہے۔ قرآن انسان کے ذہن کو ظاہر سے باطن کی طرف، مجاز سے حقیقت کی طرف موڑتا ہے، یہ اس کی نہایت لطیف اور موثر رہنمائی ہے۔

۴۰۔ آسمان کے محفوظ چھت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اس خوبی کے ساتھ بنایا گیا ہے کہ اس میں کہیں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ سالہا سال گذرنے کے باوجود وہ اپنی اصل حالت پر قائم ہے۔ اس میں بوسیدہ ہونے کے آثار کبھی پیدا نہیں ہوئے کہ زمین والوں کے لئے اس کے گر جانے کا خطرہ لاحق ہو۔

۴۱۔ موجودہ دور کے ماہرین فلکیات (Astronomers) نے کائناتی شعاؤں (Cosmic Rays) تک کا پتہ چلایا ہے۔ مگر ان کو کائنات کے خالق کا پتہ نہ چل سکا! یہ اس لئے کہ ان کو خدا کی تلاش نہیں ہے۔ درحقیقت خدا کو وہی لوگ پاتے ہیں جن کو اس کی تلاش ہوتی ہے۔

اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند بنائے۔ سب (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہے ہیں۔ اور ہم نے تم سے پہلے بھی کسی انسان کو ہمیشگی نہیں بخشی۔ اگر تم مر گئے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں؟ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور ہم اچھی اور بُری حالت میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کرتے ہیں۔ اور ہماری ہی طرف تمہیں پلٹنا ہے۔ (القرآن)

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳ اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند بنائے۔ سب (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہے ہیں۔ ۴۲

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاْىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴ اور ہم نے تم سے پہلے بھی کسی انسان کو ہمیشگی نہیں بخشی ۴۳۔ اگر تم مر گئے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں؟ ۴۴

كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے ۴۵۔ اور ہم اچھی اور بُری حالت میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کرتے ہیں ۴۶۔ اور ہماری ہی طرف تمہیں پلٹنا ہے۔ ۴۷

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶ اور (اے پیغمبر!) یہ کافر جب تمہیں دیکھتے ہیں تو مذاق بنا لیتے ہیں۔ (کہتے ہیں) کیا یہی وہ شخص ہے جو تمہارے خداؤں کا (بُرائی کے ساتھ) ذکر کرتا ہے؟ اور ان کا اپنا حال یہ ہے کہ رحمٰن کے ذکر سے منکر ہیں۔ ۴۸

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾

۳۷ انسان کی سرشت (طبیعت) میں جلد بازی ہے ۴۹۔ میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا ۵۰۔ جلدی نہ مچاؤ۔ ۵۱

وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸ کہتے ہیں یہ وعدہ پورا کب ہوگا اگر تم سچے ہو۔ ۵۲

لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹ کاش! یہ کافر اس وقت کو جان لیتے جب یہ آگ کو نہ اپنے منہ سے ہٹا سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھ سے اور نہ ہی ان کی کوئی مدد کی جائے گی۔

بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰ وہ (گھڑی) تو اچانک آئے گی اور ان کو بدحواس کر دے گی۔ پھر نہ تو اس کو دفع کر سکیں گے اور نہ انہیں مہلت ملے گی۔ ۵۲

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱ تم سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا تھا۔ مگر جو لوگ ان کا مذاق اڑاتے رہے ان کو اسی چیز نے اپنی لپیٹ میں لے لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ ۵۴

قُلْ مَنْ یَّكْلَؤُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲ ان سے پوچھو کون ہے جو رات کو اور دن کو رحمٰن (کی پکڑ) سے تمہاری حفاظت کرتا ہے؟ ۵۵ مگر یہ اپنے رب کے ذکر سے رُخ پھیرے ہوئے ہیں۔ ۵۶

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳ کیا ہمارے سوا اُن کے ایسے معبود ہیں جو ان کو بچا سکتے ہیں؟ وہ خود اپنی مدد نہیں کر سکتے اور نہ ہماری اُن کو تائید حاصل ہے۔ ۵۷

۴۲؎ متن میں لفظ **فَلَک** استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ عربی میں مدار کے ہیں۔لسان العرب میں **الفلک**: مدار النجوم ''فلک یعنی ستاروں کا مدار۔'' (لسان العرب ج ۱۰ ص ۴۷۸) آسمان کے معنیٰ میں یہ لفظ نہ قرآن میں استعمال ہوا ہے اور نہ قدیم عربی میں، یہ اس معنیٰ کے لئے معروف تھا۔بعد میں علم ہیئت کی اصطلاح کے طور پر یہ لفظ آسمان کے معنیٰ ہی میں استعمال ہونے لگا اور فارسی اور اردو میں تو یہ آسمان کے معنیٰ ہی میں استعمال ہوتا ہے۔پھر آیت میں یہ لفظ نکرہ استعمال ہوا ہے جس سے اپنے اپنے مدار کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے۔اور **یَسْبَحُون** (تیرتے ہیں) جمع کا صیغہ ہے۔جو عربی میں دو سے زائد چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے۔اس لئے اس لفظ کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ سورج اور چاند ہی نہیں بلکہ تمام اجرام وسماوی اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔اجرام سماوی کو جب آدمی کھلی آنکھوں سے دیکھتا ہے تو وہ فضائے بسیط میں تیرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔اس لئے قرآن نے صورتِ واقعہ کو عام فہم انداز میں بیان کر دیا۔اور مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ سورج چاند ستارے سب حرکت میں ہیں اور وہ اپنا سفر اپنے اپنے دائرہ میں جاری رکھے ہوئے ہیں۔مقررہ دائرہ سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔اس باقاعدگی کے ساتھ ان کا یہ عمل اس بات کی واضح دلیل ہے، کہ تمام اجرام فلکی کی باگ ڈور ایک قادر مطلق اور اعلیٰ اقتدار رکھنے والی ہستی کے ہاتھ میں ہے۔

جہاں تک علم ہیئت کا تعلق ہے، چاند اور سیاروں کی اپنے اپنے مدار پر گردش ایک معلوم حقیقت ہے۔رہی سورج اور ستاروں کی گردش، تو ان کی محوری گردش سے تو اسے انکار نہیں ہے۔البتہ ان کی مداری گردش (Orbital Rotation) کے بارے میں موجودہ سائنس ابھی قیاس سے آگے نہیں بڑھ سکی ہے۔اس لئے قرآن کی بیان کردہ حقیقتوں کو موجودہ سائنس کے محدود دائرہ میں بند نہیں کیا جا سکتا۔(مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورہ رعد نوٹ ۸؎)

۴۳؎ یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ دنیا میں ہمیشگی کی زندگی کسی کو بھی نہیں بخشی گئی، یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔اس سے عوام کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ حضرت خضر کو دنیا میں دائمی زندگی عطا ہوئی ہے۔نیز شیعوں کے اس عقیدے کی بھی قلعی کھل جاتی ہے کہ جو وہ اپنے بارہویں امام کے غائب ہو جانے اور ان کے زندہ رہنے کے بارے میں رکھتے ہیں۔

رہا عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ تو وہ دنیا میں دائمی زندگی نہیں گزار رہے ہیں، بلکہ آسمان پر اٹھا لئے گئے ہیں۔اور قربِ قیامت میں جب ان کا نزول ہوگا تو ان کی بھی طبعی موت واقع ہوگی۔

۴۴؎ مخالفین چاہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو جائے، تا کہ اس کشمکش سے انہیں نجات مل جائے، جو آپ کے اور ان کے درمیان برپا ہو گئی تھی۔فرمایا اگر پیغمبر کا انتقال ہو جاتا ہے تو یہ کہاں باقی رہنے والے ہیں۔ایک نہ ایک دن ان کو بھی تو مرنا ہے۔اس لئے مرنے کے بعد جس چیز سے سابقہ پیش آنے والا ہے اس کی فکر انہیں ہونی چاہئے۔اس سے بے پرواہ ہو کر پیغمبر کی موت کے انتظار میں رہنا کسی دانشمند کا کام نہیں ہو سکتا۔

۴۵؎ اس کی تشریح سورہ آلِ عمران، نوٹ ۲۱۵؎ میں گزر چکی۔

۴۶؎ یعنی دنیا کی زندگی ایک امتحانی زندگی ہے اس لئے موت ہر شخص کے لئے مقدر ہے۔اسی طرح کسی کا خوش حال یا بدحال ہونا آزمائش ہی کے پہلو سے ہے۔اور ایک نبی کو بھی بشر ہونے کی حیثیت سے ان حالات سے گذرنا پڑتا ہے۔

۴۷؎ خدا کی طرف پلٹنے کا مطلب یہ ہے کہ اسی نے تم کو دنیا میں بھیجا ہے اور اسی کی طرف تمہیں واپس جانا ہے۔یہ ایک سادہ سی حقیقت ہے۔جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے۔اس کے برخلاف مشرکین ہند کا مشرکانہ فلسفہ یہ ہے کہ انسان کی روح اس کے مرنے کے بعد خدا میں ضم ہو جاتی ہے۔**فَتَعالی اللہ عما یُشرِکُون**۔

۴۸؎ اس آیت میں ذکر کا لفظ دو الگ معنیٰ میں استعمال ہوا ہے جسے علم بلاغت کی اصطلاح میں ''تجنیس لفظی'' کہتے ہیں۔''کیا یہی وہ شخص ہے جو تمہارے خداؤں کا ذکر کرتا ہے۔'' کا مطلب خداؤں کا برائی کے ساتھ ذکر کرنا ہے اور ''ان کا اپنا حال یہ ہے کہ رحمٰن کے ذکر سے منکر ہیں۔'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ رحمٰن کا ذکر اچھائی کے ساتھ کرنا پسند نہیں کرتے۔یہ مشرکین کی نامعقولیت پر تعریض (طنز) ہے کہ وہ اپنے من گھڑت خداؤں کو اتنا محبوب رکھتے ہیں کہ ان کے خلاف

کوئی بات سننا پسند نہیں کرتے، خواہ وہ کتنی ہی حقیقت پر مبنی کیوں نہ ہو۔ لیکن خدائے رحمٰن سے جس کی ان پر بے انتہا مہربانیاں ہیں ایسے متنفر ہیں کہ اس کے فضل و کمال کا ذکر ان کے لئے ناپسندیدہ بن گیا ہے۔

۴۹۔ جلد بازی انسان کی جبلت میں رکھ دی گئی ہے، تاکہ اس میں جوش عمل پیدا ہو اور وہ خیر کی طرف تیزی سے بڑھے، مگر انسان اس داعیہ (Motive) کا غلط استعمال کر کے شر کی طرف دوڑتا ہے۔ انسان کے غلط فیصلے اور اس کی غیر سنجیدہ باتیں اس کی جلد بازی ہی کا نتیجہ ہوتی ہیں، جب کہ انسان چاہے تو اس داعیہ کو قابو میں رکھ سکتا ہے اور اس کا صحیح استعمال کر سکتا ہے۔

۵۰۔ مراد عذاب کی نشانیاں ہیں۔ قرآن کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی، چنانچہ کفار کے لئے عذاب کی نشانیوں کا ظہور ان جنگوں میں ہوا جو انہوں نے پیغمبر اسلام کے خلاف لڑیں۔

۵۱۔ یعنی عذاب کی جلدی نہ کرو۔

معلوم ہوا کہ جلد بازی اگر انسان کی جبلت میں داخل ہے، مگر اس کے ساتھ اسے یہ صلاحیت بھی بخشی گئی ہے کہ وہ اس پر کنٹرول کرے۔ اور شر کے لئے جلدی نہ مچائے۔

۵۲۔ مراد قیامت کا وعدہ ہے۔

کافروں کا یہ سوال کہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا ان کی جلد بازی کی دوسری مثال ہے۔

۵۳۔ یعنی اس وقت تو یہ کافر قیامت کے لئے جلدی مچا رہے ہیں۔ لیکن جب وہ آئے گی تو ان کافروں کو عذاب کی لپیٹ میں لے لیگی۔ اس وقت انہیں توبہ کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کا کوئی موقع نہ مل سکے گا۔

۵۴۔ یعنی عذاب کی وعید سنانے پر وہ رسول کا مذاق اڑاتے تھے، مگر بالآخر ان پر عذاب مسلط ہو کر رہا۔

۵۵۔ یعنی دن ہو یا رات، انسان کی زندگی ہر آن خطرات اور آفات سے گھری رہتی ہے۔ اور وہ خدائے رحمٰن ہی ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر وہ تمہاری حفاظت کرنے کے بجائے تمہیں گرفت میں لینا چاہے، تو کون ہے جو تم پر مہربان ہوگا اور اس کے مقابلہ میں تمہاری حفاظت کرے گا؟

۵۶۔ یعنی ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ انہیں خدا کی مہربانیوں کا کوئی احساس نہیں۔ اور وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اس کے فضل و رحمت کا ذکر ہو۔

شرک انسان کو اپنے رب حقیقی کے بارے میں کس قدر غیر حقیقت پسند بنا دیتا ہے!

۵۷۔ یعنی اگر خدا کا عذاب آ گیا تو کیا ان کے یہ معبودان کو بچا سکیں گے؟ وہ بچا کیا سکیں گے، جب کہ وہ خود اپنے کو بچانے پر قادر نہیں ہیں، اور نہ خدا کی تائید ان کو حاصل ہے۔ یہاں اشارہ مشرکین کے ان معبودوں کی طرف ہے، جن کے بارے میں ان کا تصور یہ تھا کہ وہ آفتوں سے انہیں بچا سکتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ہم نے ان کو اور ان کے آباء و اجداد کو
آسودہ کیا یہاں تک کہ ان پر ایک طویل مدت گزر گئی ۔ مگر کیا
یہ دیکھتے نہیں ہیں اس سرزمین کی طرف کہ ہم اس کی سرحدوں
کو گھٹاتے ہوئے بڑھ رہے ہیں ۔ پھر کیا یہ غالب رہیں گے؟
کہو میں تمہیں وحی کے ذریعہ خبردار کر رہا ہوں ۔ مگر بہرے پکار
کو نہیں سنتے جب کہ انہیں خبردار کیا جائے ۔ اور اگر تمہارے
رب کے عذاب کی ایک آنچ انہیں لگ جائے تو پکار اٹھیں گے
ہائے افسوس! ہم ہی خطا کار تھے۔ (القرآن)

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴ اصل بات یہ ہے کہ ہم نے ان کو اور ان کے آباء و اجداد کو آسودہ کیا یہاں تک کہ ان پر ایک طویل مدت گزر گئی ۵۸۔ مگر کیا یہ دیکھتے نہیں ہیں اس سرزمین کی طرف کہ ہم اس کی سرحدوں کو گھٹاتے ہوئے بڑھ رہے ہیں ۵۹۔ پھر کیا یہ غالب رہیں گے؟

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۚ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵ کہو میں تمہیں وحی کے ذریعہ خبردار کر رہا ہوں۔ مگر بہرے پکار کو نہیں سنتے جب کہ انہیں خبردار کیا جائے۔ ۶۰

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶ اور اگر تمہارے رب کے عذاب کی ایک آنچ انہیں لگ جائے تو پکار اٹھیں گے ہائے افسوس! ہم ہی خطا کار تھے۔ ۶۱

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷ اور قیامت کے دن ہم انصاف کے ترازو قائم کریں گے ۶۲۔ پھر کسی شخص کے ساتھ ذرا بھی ناانصافی نہ ہوگی۔ اگر کسی کا کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو ہم اُسے لا حاضر کریں گے اور ہم حساب لینے کے لئے کافی ہیں۔ ۶۳

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸ اور ہم نے موسیٰ ۶۴ اور ہارون کو فرقان، ۶۵ اور روشنی دی ۶۶، اور یاددہانی عطاء کی تھی متقیوں کے لئے۔ ۶۷

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹ جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں ۶۸۔ اور قیامت کی گھڑی سے لرزاں رہتے ہیں۔

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾

۵۰ اور یہ ایک بابرکت ذکر ہے، ۶۹ جو ہم نے اتارا ہے۔ تو کیا تم اس کے منکر بنو گے؟

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾

۵۱ اور ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی اس کے شایان شان ہدایت عطاء کی تھی اور ہم اس کو خوب جانتے تھے۔ ۷۰

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ یہ کیسی مورتیاں ہیں جن کی پرستش میں تم لگے ہوئے ہو! ۷۱

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

۵۳ انہوں نے جواب دیا ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پوجا کرتے پایا ہے۔

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾

۵۴ اس نے کہا تم بھی کھلی گمراہی میں پڑے ہو اور تمہارے باپ دادا بھی پڑے تھے۔ ۷۲

۵۸۔ قریش خوشحال بھی تھے اور ان کو سرداری کا اہم مقام بھی حاصل تھا۔ یہ سب کچھ انہیں اللہ ہی کے فضل سے حاصل ہوا تھا۔ لیکن چونکہ ایک زمانہ سے وہ خوشحال اور با اقتدار چلے آ رہے تھے، اس لئے وہ خدا سے بے پرواہ ہو گئے تھے۔ مال اور اقتدار کا نشہ انسان کو خدا سے غافل کر دیتا ہے۔

۵۹۔ یعنی مکہ کے اطراف و جوانب میں اسلام کے اثرات بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اور اس کے غلبہ کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔

آیت کا اشارہ خاص طور پر مدینہ کی طرف ہے جہاں کے لوگ اسلام قبول کرتے جا رہے تھے۔ گویا مشرکین مکہ کے لئے زمین روز بروز تنگ ہوتی جا رہی تھی یہاں تک کہ اس سورہ کے نزول کے چند سال بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں اقتدار حاصل ہوا۔ اور یہ اقتدار فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ گویا فتح مکہ اس آیت کی ٹھیک ٹھیک تعبیر تھی۔

۶۰۔ واضح ہوا کہ پیغمبر اور وحی کی آواز کو وہی لوگ سنتے ہیں جو اپنے کان کھلے رکھتے ہیں۔

۶۱۔ یعنی اب تو وہ عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ لیکن اگر عذاب کا ایک حصہ ہی انہیں چھو لے گا تو وہ اپنے کئے پر پچھتائیں گے۔ اور اپنے خطا کار ہونے کا اعتراف کریں گے۔

۶۲۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورہ قارعہ، نوٹ ۶۔

۶۳۔ یعنی قیامت کے دن جب کہ انسانوں کا اجتماع ایک ٹھاٹھے مارتے سمندر کی طرح ہوگا، تو فرداً فرداً ہر ایک کا حساب لینا اللہ کے لئے کچھ مشکل نہ ہو گا۔ اور اس کا حساب بالکل صحیح (Perfect) ہوگا۔

۶۴۔ یہاں سے چند جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کا بار بار ذکر ہوا ہے تاکہ ان کی تعلیم اور ان کی سیرت کے مختلف پہلو نمایاں ہوں۔ انبیائی تاریخ کے سنہرے اوراق ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائیں، اور پڑھنے والے اس سے بصیرت حاصل کریں، منکرین کے شبہات دور ہوں اور وہ یہ محسوس کریں کہ انبیاء علیہم السلام کا وجود ایک تاریخی حقیقت ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ مختلف زمانوں اور ملکوں میں انسانوں کی رہنمائی کے لئے بھیجتا رہا ہے۔ اور خاص بات یہ کہ اہل ایمان ان کا ذکر قرآن میں پڑھ کر ان کی صحبت کا فیض حاصل کریں۔ گویا قرآن جہاں کہیں کسی نبی کا ذکر کرتا ہے قاری کو تھوڑی دیر کے لئے ان مثالی شخصیتوں کی مجلس میں لے جاتا ہے، تاکہ ان کی صحبت ان کے لئے روح پرور ثابت ہو۔

۶۵۔ ''فرقان'' سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو حق کو باطل سے ممتاز کر کے ان کا فرق نمایاں کرتی ہیں۔ چنانچہ سورۂ مؤمنون میں ارشاد ہوا ہے:

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوسٰی وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ بِاٰیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ۔ (المؤمنون۔ ۴۵)

''پھر ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیوں اور کھلی سند کے ساتھ بھیجا۔''

۶۶۔ ''ضیاء'' (روشنی) سے مراد ہدایت کی روشنی ہے۔

۶۷۔ ''ذکر'' (یاددہانی) سے مراد تورات ہے جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی تھی۔ اور حضرت ہارون چونکہ حضرت موسیٰ کی درخواست پر نبی اور ان کے وزیر بنائے گئے تھے اس لئے اس عنایت میں ان کو بھی شریک کر لیا گیا۔

یہ یاددہانی عملاً متقیوں (خدا سے ڈرنے والوں) ہی کے لئے مفید ثابت ہوئی۔ جو لوگ خدا سے ڈرنا نہیں چاہتے تھے وہ اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے۔

۶۸۔ خدا سے بے دیکھے ڈرنا متقیوں کا بہت بڑا وصف ہے۔ جو لوگ خدا سے ڈرنے کے لئے یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ وہ پہلے دکھائی دے۔ انہوں نے نہ خدا کی شان کو سمجھا ہے اور نہ اپنی اس حیثیت کو، کہ وہ امتحان گاہ میں کھڑے کر دیئے گئے ہیں۔ اور آزمائش اس بات کی ہے کہ وہ عقل و شعور سے کام لے کر اور داخلی اور خارجی (انفس و آفاق کی) نشانیوں کی مدد سے، نیز وحی الٰہی کی رہنمائی اور اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے رب کو پہچانتے ہیں یا نہیں؟ اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ خدا کو ریاضتوں کے ذریعے دیکھنے کی کوشش بالکل بے سود ہے۔ اور اس طریقہ سے انحراف ہے جو اس آزمائشی زندگی میں

انسان کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے۔

۶۹۔ یعنی قرآن۔

۷۰۔ متن میں لفظ ''رُشدہ '' (اس کا رشد) استعمال ہوا ہے۔ رشد کے معنیٰ سمجھ بوجھ کے بھی ہیں اور دینی ہدایات کے بھی۔ حضرت ابراہیم کو ایک عظیم شخصیت کی حیثیت سے اٹھانا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے مقام کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی سنجیدگی، ہوشمندی اور فہم وفراست عطاء کی تھی۔ اور ان صلاحیتوں کی بنا پر انہوں نے نبوت سے بہت پہلے توحید کی راہ کو پالیا تھا اور وہ ایک راست رو انسان تھے۔ پھر جب انہیں نبوت سے سرفراز کیا گیا تو وہ توحید کے علمبردار اور ہدایت کے مینار بن گئے۔

اللہ تعالیٰ کا ابراہیم پر جو فضل وکرم ہوا وہ علم کی بنیاد پر ہوا۔ اس کی نگاہ انتخاب بالکل صحیح تھی اور ابراہیم ان عنایتوں کے پوری طرح اہل قرار پائے۔

۷۱۔ نبوت سے سرفراز ہو جانے کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو بت پرستی کی گمراہی سے نکالنا چاہا۔ اس کے پیش نظر انہوں نے بُت پرستی کی کھلی مذمت کی۔

موجودہ دور کا سیکولر ذہن تو بت پرستی کے معاملہ میں بھی رواداری کا قائل ہے اور کسی تنقید کو پسند نہیں کرتا۔ مگر انبیاء علیہم السلام کا مقصدِ بعثت ہی لوگوں کو جہالت کی تاریکی سے نکالنا اور انہیں عذاب جہنم سے بچانا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ شرک پر جو نا قابل معافی گناہ ہے ضرب کاری لگاتے ہیں۔

۷۲۔ یہ بھی ایک دوٹوک بات تھی جو ابراہیم علیہ السلام نے سنائی۔ مورتی پوجا اگر باپ دادا کرتے رہے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ان کا طرز عمل صحیح تھا۔ اگر باپ دادا نے جہالت برتی ہو تو یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ اولاد بھی جہالت برتے۔

مگر آج کے سائنسی دور میں کتنی ہی قومیں اسی جہالت میں مبتلا ہیں۔ وہ اپنے مشرکانہ کلچر سے اس لئے وابستہ ہیں کہ یہ ان کو قومی ورثہ میں ملا ہے۔

اور اللہ کی قسم میں ضرور تمہارے بتوں کے ساتھ ایک تدبیر کروں گا
جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے۔ چنانچہ اس نے اُن کو ٹکڑے ٹکڑے
کر ڈالا بجز ایک (بت) کے جو ان کے نزدیک بڑا تھا تا کہ وہ اس
کی طرف رجوع کریں۔ کہنے لگے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ
حرکت کس نے کی ہے؟ (جس نے بھی یہ حرکت کی ہے) وہ بڑا
ظالم ہے! بعض لوگوں نے کہا ہم نے ایک نوجوان کو ان کے
بارے میں کچھ کہتے سنا تھا جس کو ابراہیم کہتے ہیں۔ (القرآن)

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵ انہوں نے کہا تم واقعی حق لے کر آئے ہو یا مذاق کر رہے ہو؟

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶ اس نے کہا نہیں بلکہ واقعی تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اسی نے ان کو پیدا کیا ہے ۷۳؎۔ اور اس پر میں تمہارے سامنے گواہ ہوں ۔ ۷۴؎

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷ اور اللہ کی قسم میں ضرور تمہارے بتوں کے ساتھ ایک تدبیر کروں گا جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے۔ ۷۵؎

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸ چنانچہ اس نے اُن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا بجز ایک (بت) کے جو ان کے نزدیک بڑا تھا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ ۷۶؎

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹ کہنے لگے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ (جس نے بھی یہ حرکت کی ہے) وہ بڑا ظالم ہے! ۷۷؎

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾

۶۰ بعض لوگوں نے کہا ہم نے ایک نوجوان کو ان کے بارے میں کچھ کہتے سنا تھا جس کو ابراہیم کہتے ہیں۔ ۷۸؎

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱ انہوں نے کہا اسے لوگوں کے سامنے لے آؤ تاکہ وہ دیکھ لیں۔ ۷۹؎

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾

۶۲ (جب ابراہیم آئے تو) انہوں نے پوچھا ابراہیم! کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾

۶۳ اس نے جواب دیا بلکہ ان کے اس بڑے نے کی ہے۔ ان ہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔ ۸۰؎

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

۶۴ یہ سن کر وہ آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے تم ہی لوگ غلط کار ہو۔ ۸۱؎

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰي رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾

۶۵ پھر وہ اپنے سروں کے بل اوندھے ہو گئے ۸۲؎۔ بولے تمہیں معلوم ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں۔

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾

۶۶ اس نے کہا پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہو جو نہ تم کو فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان؟ ۸۳؎

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

۶۷ تُف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے ہو ۸۴؎۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ۸۵؎ ؟

۷۳۔ یعنی یہ بت خدا نہیں ہیں بلکہ خدا وہ ہے جو کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اس میں یہ دلیل مضمر ہے کہ یہ بت اور یہ دیوی دیوتا جب کائنات کے نہ خالق ہیں اور نہ مالک، تو وہ خدا کس طرح ہوئے؟

۷۴۔ یہاں گواہی اعلان کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی میں اپنے اس عقیدۂ توحید کا تمہارے سامنے اظہار و اعلان کرتا ہوں۔ اور میں اللہ کی طرف سے اس کی شہادت دینے پر مامور ہوں۔

۷۵۔ ابراہیم علیہ السلام بتوں کے خلاف جو اقدام کرنا چاہتے تھے، اس کی طرف انہوں نے پیشگی اشارہ کر دیا تھا کہ لوگ آگاہ رہیں۔ اور یہ ان کی کمالِ جرأت تھی۔

۷۶۔ حضرت ابراہیم نے ایک دن موقع پا کر جب کہ لوگ کسی تہوار کے سلسلہ میں باہر گئے ہوئے تھے مندر میں داخل ہو کر تمام بتوں کو توڑ دیا۔ صرف بڑے بت کو رہنے دیا۔ تاکہ لوگ اس ''لال بجھکڑ'' سے پوچھیں کہ یہ کارروائی کس نے کی ہے؟ اور جب یہ کوئی جواب نہ دے سکے تو لوگوں پر ظاہر ہو جائے کہ یہ بت بے جان پتھر ہیں جو نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔

یہ ایک عظیم دعوتی مصلحت تھی جس کے لئے انہوں نے بت شکنی کی یہ کارروائی کی تھی۔ اور یہ کارروائی بھی انہوں نے اس وقت کی جب کہ وہ توحید کی دعوت کو بدلائل پیش کر چکے تھے، جس کی تفصیل سورۂ انعام آیت ۷۴ تا ۸۱ میں گزر چکی۔ اگر ان کے پیش نظر محض توڑ پھوڑ ہوتی تو وہ کسی بت کو باقی نہ رکھتے، بلکہ بڑے بت کو سب سے پہلے ختم کر دیتے۔

ممکن ہے یہاں یہ سوال کیا جائے کہ دوسروں کے بتوں کو توڑنے کا ان کو کیا حق تھا؟ تو یہ سوال ایک نبی کی حیثیت کو نہ سمجھنے کے نتیجہ ہی میں پیدا ہو سکتا ہے۔ نبی اللہ کا بھیجا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس کو وحی کے ذریعہ براہ راست احکام ملتے ہیں اور اس کی براہ راست رہنمائی کی جاتی ہے۔ اس لئے اس کو خدا کے حکم کی تعمیل کرنا ہوتی ہے خواہ وہ کسی قوم یا سماج کے مروجہ طور طریقہ یا قانون کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ وہ انسانی حقوق پر خدا کے حق کو مقدم سمجھتا ہے۔ اور ہر ایک منکر کو مٹانے کے لئے اگر رواجی قانون کو توڑنا پڑتا ہے تو وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے جو کچھ کیا وہ تو شرک جیسے عظیم منکر کو مٹانے کے لئے کیا تھا۔ اس لئے ان کا یہ کام قابل تعریف ہے نہ کہ قابل اعتراض، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اقدام کو رشد و ہدایت کا نتیجہ قرار دیا۔

۷۷۔ جب لوگ میلے سے لوٹے تو مندر میں اپنے بتوں کی بری گت دیکھ کر ان کو تعجب ہوا اور سخت غصہ کا اظہار کرنے لگے۔

۷۸۔ معلوم ہوا کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ حضرت ابراہیم جوان تھے۔ اور جوانی ہی میں ان کو نبوت عطا ہوئی تھی۔

حضرت ابراہیم بت پرستی کے خلاف کہتے تھے۔ اس لئے بتوں کو ٹوٹا ہوا دیکھ کر لوگ سمجھ گئے کہ ہو نہ ہو یہ ابراہیمؑ ہی کا کام ہے۔

۷۹۔ اس طرح ابراہیم کو عوام و خواص کے سامنے آنے اور اپنی دعوت کو پیش کرنے کا موقع ملا۔

۸۰۔ یعنی ان بتوں میں جو سب سے بڑا ہے اس نے یہ حرکت کی ہے۔ اگر بت بولتے ہیں تو ان ہی سے کیوں نہیں پوچھ لیتے؟

یہ بتوں کی بے بسی پر بھرپور طنز تھا۔ جب وہ خود اپنا بچاؤ نہیں کر سکے تو اپنے پرستاروں کا کیا بچاؤ کر سکتے ہیں؟ اگر ان میں گویائی کی قوت ہے تو ان سے پوچھ لو کہ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ اور وہ اگر قوت گویائی نہیں رکھتے تو ثابت ہوا کہ وہ بے جان پتھر ہیں پھر وہ خدا کیسے ہوئے؟

بتوں کے بے حقیقت ہونے ہی کو محسوس کرانے کی غرض سے ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کے توڑنے کا اقدام کیا تھا۔ اور اسی مقصد کے پیش نظر انہوں نے اس کارروائی کی نسبت بڑے بت کی طرف کر دی تھی۔ یہ طرز کلام علمِ معانی کی اصطلاح میں تعریض یعنی طنز کہلاتا ہے، جو کسی گمراہی پر ضرب لگانے اور غافل انسان کو چونکا دینے کا نہایت مؤثر ذریعہ ہے۔ مگر جن لوگوں میں سخن فہمی نہیں ہوتی وہ الفاظ کو پکڑ لیتے ہیں اور اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کے اس لاجواب کر دینے والے جواب کو بھی جھوٹ پر محمول کیا گیا۔ گویا حضرت ابراہیم نے اس بات سے انکار کیا تھا کہ انہوں نے بتوں کو توڑا ہے، اگر ان کا منشاء انکار کرنا ہی ہوتا تو وہ صاف صاف کہہ دیتے کہ میں نے بتوں کو نہیں توڑا ہے اور مجھ پر یہ الزام غلط ہے۔ مگر انہوں نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کہی۔ اور جو کچھ کیا اس

کو بھی مخالفین نے جھوٹ پر محمول نہیں کیا بلکہ وہ سمجھ گئے کہ حضرت ابراہیم منطقی بات کر رہے ہیں۔اس لئے انہوں نے جواب میں اس بات کا اعتراف کیا کہ بُت بولتے نہیں۔اور جب انہوں نے یہ اعتراف کیا تو حضرت ابراہیم کو بتوں کی بے بسی واضح کرنے اور بُت پرستی کے خلاف حجت قائم کرنے کا موقع مل گیا۔

رہی وہ حدیث جس میں ابراہیم کی طرف تین جھوٹ منسوب کئے گئے ہیں، جن میں سے ایک جھوٹ ان کے اس بیان کو قرار دیا گیا ہے بَل فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذا ''بلکہ ان کے اس بڑے بت نے ان کو توڑا ہے۔'' تو یہ حدیث بخاری مسلم اور ترمذی وغیرہ میں بیان ہوئی ہے اور علماء نے اس کی مختلف تاویلیں کی ہیں مگر امام رازی نے بڑے پتے کی بات کہی ہے:

''رہی پہلی روایت کردہ وہ حدیث تو جھوٹ کو اس کے راویوں کی طرف منسوب کرنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے، کہ اسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کیا جائے۔'' اور مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی بالکل صحیح لکھا ہے۔

''عام طور پر مفسروں نے یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ حضرت ابراہیم نے تین موقعوں پر ایسی بات کہی جس سے بظاہر جھوٹ کا اطلاق ہوسکتا ہے۔اس میں سے ایک موقعہ یہ ہے جب ان سے پوچھا گیا وَ اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذا کیا تو نے بتوں کو توڑا ہے؟ تو انہوں نے کہا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذا بلکہ اس بڑے بت نے ایسا کیا ہے حالانکہ فی الحقیقت فعل خود انہی کا تھا۔

اس بارے میں استدلال صحاح کی ایک روایت سے کیا جاتا ہے، لیکن سب سے پہلے ہمیں اس مقام پر تدبر کرنا چاہئے کہ کیا فی الحقیقت یہاں کوئی ایسا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس سے حضرت ابراہیم کا جھوٹ بولنا ثابت ہوتا ہے؟ خواہ وہ جھوٹ کسی درجہ اور کسی نوعیت کا ہو۔حقیقت یہ ہے کہ تفسیر قرآن کی تاریخ کی بوالعجبیوں میں اس سے بڑھ کر اور کوئی ناقابل توجیہ بوالعجبی نہیں۔قرآن میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے اصدق الصادقین کا جھوٹ بولنا نکلتا ہو۔لیکن بہ تکلف ایک آیت کو توڑ مروڑ کر ایسا بنایا جا رہا ہے کہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ بولنے کی بات بن جائے، اور اثبات کذب کی یہ نامبارک کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟ صرف اس لئے کہ ایک مزعومہ حدیث موجود ہے۔پس کہیں یہ قیامت نہ ٹوٹ پڑے کہ اس کے غیر معصوم راویوں کی روایت کمزور مان لینی پڑے۔گویا اصل اس بات میں غیر معصوم راویوں کا تحفظ ہے، نہ کہ معصوم رسولوں کا۔اور اگر قرآن میں اور کسی روایت میں اختلاف واقع ہو جائے تو قرآن کو روایت کے مطابق بننا پڑے گا۔راوی کی شہادت اپنی جگہ سے کبھی نہیں ہل سکتی۔'' (ترجمان القرآن ج ۲ ص ۴۹۵) روایت پرستی پر مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ طنز بالکل برمحل ہے: آگے چل کر لکھتے ہیں:

''بلاشبہہ روایت صحیحین کی ہے لیکن اس تیرہ سو برس کے اندر کسی مسلمان نے بھی راویان حدیث کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا ہے نہ امام بخاری و مسلم کو معصوم تسلیم کیا ہے''۔پس انبیاء کرام کی سچائی اور عصمت یقینیات دینیہ وتقلید میں سے ہے۔

روایات کی قسموں میں سے کتنی ہی بہتر قسم کی کوئی روایت ہو بہر حال ایک غیر معصوم راوی کی شہادت سے زیادہ نہیں، اور غیر معصوم کی شہادت ایک لمحہ کے لئے بھی یقینیات دینیہ کے معاملہ میں تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ہمیں مان لینا پڑے گا کہ یہ اللہ کے رسول کا قول نہیں ہوسکتا۔یقیناً یہاں راویوں سے غلطی ہوئی ہے۔'' (ایضاً ص ۴۹۹)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کا جواب الزامی حجت کا تھا اس لئے اس پر جھوٹ کا اطلاق کسی طرح بھی صحیح نہیں۔اور جب حدیث خواہ وہ بخاری اور مسلم ہی کی کیوں نہ ہو قرآن کے بیان کے خلاف ہے، اور اس سے ایک نبی کی عصمت پر حرف بھی آتا ہے تو وہ حدیث رسول ہو ہی نہیں سکتی۔اس لئے یہ روایت اپنے متن کے اعتبار سے قابل رد ہے۔رہی اس کی اسناد تو اس میں بھی کلام کی گنجائش ہے، امام بخاری نے اس حدیث کو موقوفاً اور مرفوعاً بیان کیا ہے۔موقوفاً کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے اس کو ارشاد رسول کے طور پر پیش نہیں کیا، اور مرفوعاً کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بتلایا۔(ملاحظہ ہو بخاری کتاب احادیث الانبیاء)

پھر جو روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے طور پر بیان ہوئی ہے اس کا ایک راوی جریر بن حازم ہے، اور جریر بن حازم کے ثقہ ہونے کے بارے میں محدثین کے درمیان اختلاف ہے۔ علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں جو اسماء الرجال کی مشہور اور مستند کتاب ہے، دونوں طرح کے اقوال نقل کئے ہیں۔ مثال کے طور پر ابن سعد کہتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں مگر آخری عمر میں انہیں دماغی عارضہ ہو گیا تھا۔ نسائی کہتے ہیں ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام احمد کہتے ہیں جریر بہت غلطیاں کر جاتے ہیں۔ مصر میں تو ان کا حافظہ ٹھیک نہیں رہا تھا اور وہم کی بنا پر بیان کرنے لگے تھے۔ (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۶۹ تا ۷۲) اور امام ذہبی نے امام بخاری کا اپنا یہ قول نقل کیا ہے کہ جریر بن حازم کبھی کبھی غلطی کر جاتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۹۳)

واضح ہوا کہ اس حدیث کی اسناد میں علت ہے اور اس کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح نہیں۔ مگر جن لوگوں کو اس کی صحت پر اصرار ہے وہ اس کی تائید میں بخاری ہی کی شفاعت والی حدیث پیش کرتے ہیں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب لوگ پریشان ہو کر ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت کی درخواست کریں گے تو وہ اپنا یہ عذر پیش کریں گے کہ مجھ سے تین جھوٹ صادر ہو گئے تھے۔ (بخاری کتاب التوحید) اور جھوٹ کی توجیہ یہ حضرات اس طرح کرتے ہیں کہ یہ تعریض (طنز) تھی۔ مگر یہ توجیہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اگر یہ تعریض تھی تو حضرت ابراہیم نے ایک خوبی کی بات کی تھی اس میں ان کا قصور کیا تھا جس کا حوالہ دیکر وہ قیامت کے دن شفاعت سے معذرت کریں گے؟ ایک طرف حضرت ابراہیم کے قول کو بلاغت و معانی پر محمول کرنا اور دوسری طرف ان کو قصوروار قرار دینا بالکل متضاد باتیں ہیں، اس لئے حضرت ابراہیم کی طرف جھوٹ کی نسبت کسی طرح صحیح نہیں۔

۸۱۔ یعنی تھوڑی دیر کے لئے ان میں یہ احساس پیدا ہوا کہ ہم ہی غلطی پر ہیں۔ اور یہ بات وہ ایک دوسرے سے چپکے چپکے کہنے لگے۔

۸۲۔ یعنی پھر ان میں عصبیت لوٹ آئی اور ان کی عقل اوندھی ہو گئی۔

۸۳۔ یہ تھی بت پرستی کے خلاف سب سے بڑی حجت، جس کو پیش کرنے کا موقع ابراہیم علیہ السلام کو ملا۔

۸۴۔ یہ سخت بات ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہی جب کہ لوگوں پر بت پرستی کے خلاف حجت قائم ہو گئی تھی۔ اور یہ بات بھی ان کے مشاہدہ میں آ گئی تھی کہ بت نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔ کیوں کہ اگر ان میں نقصان پہنچانے کی کوئی قدرت ہوتی تو وہ حضرت ابراہیم کو بت شکنی پر نقصان پہنچاتے۔

۸۵۔ واضح ہوا کہ بت پرستی سراسر بے عقلی ہے۔ عقل سے کام لینے والا کبھی بت پرست ہو ہی نہیں سکتا۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾

۶۸ انہوں نے کہا اس کو جلا ڈالو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔۸۶؎

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾

۶۹ ہمارا حکم ہوا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم کے لئے۔۸۷؎

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾

۷۰ انہوں نے چاہا کہ ابراہیم کے ساتھ ایک چال چلیں مگر ہم نے ان کو ناکام کر دیا۔۸۸؎

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾

۷۱ اور ہم اس کو اور لوط کو ۸۹؎ نجات دے کر اس سرزمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے دنیا والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔۹۰؎

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾

۷۲ اور ہم نے اس کو اسحاق عطا کیا۔ اور مزید یعقوب ۹۱؎، اور ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا۔۹۲؎

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾

۷۳ اور ہم نے ان کو امام بنایا ۹۳؎، جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے۔ اور ہم نے انہیں وحی کے ذریعہ بھلائی کے کام کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت کی تھی ۹۴؎۔ اور وہ ہمارے ہی عبادت گزار تھے۔

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰۗىِٕثَ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾

۷۴ اور لوط کو ہم نے حکمت اور علم عطا فرمایا ۹۵؎۔ اور اس بستی سے اسے نجات دی جو گندے کام کیا کرتی تھی ۹۶؎۔ وہ بہت ہی بُرے اور فاسق لوگ تھے۔

وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

۷۵ اور اس کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا ۹۷؎۔ یقیناً وہ صالحین میں سے تھا۔۹۸؎

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾

۷۶ اور اس سے پہلے نوح کو ۹۹؎ بھی (ہم نے اپنے فضل سے نوازا تھا)۔ جب اس نے ہمیں پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کی ۱۰۰؎۔ اور اس کے ساتھیوں کو سخت تکلیف سے نجات دی۔۱۰۱؎

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾

۷۷ اور ہم نے اس کی مدد کی ان لوگوں کے مقابلہ میں جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ۱۰۲؎۔ وہ بہت برے لوگ تھے لہٰذا ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

۸۶۔ کہنے والے مذہبی پیشوا اور مندر کے پروہت رہے ہونگے۔

۸۷۔ یعنی بالآخر بتوں کے ان پرستاروں نے ابراہیم کو آگ میں ڈال دیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ وہ ابراہیم کے حق میں ٹھنڈی ہو جائے اور سلامتی کا باعث بن جائے۔ یہ ایک معجزہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے حق میں ظاہر فرمایا۔ اس میں کوئی بات خلاف عقل نہیں ہے۔ آگ میں جلانے کی خصوصیت اس کے خالق ہی کی پیدا کردہ ہے، اگر وہ اس کی یہ خصوصیت سلب کرنا چاہے اور کوئی دوسری خصوصیت اس میں پیدا کرنا چاہے، تو کیا ایسا کرنے پر وہ قادر نہیں؟ اشیاء کے طبعی خواص ان کے ذاتی خواص نہیں ہیں بلکہ خدا کے پیدا کردہ ہیں، اور جب اس کے پیدا کردہ ہیں تو وہ جس چیز کی خاصیت جب چاہے تبدیل کر سکتا ہے۔ تعجب ان لوگوں کو ہوتا ہے جو یا تو خدا کو مانتے نہیں ہیں یا مانتے ہیں تو اس کے قادر مطلق ہونے پر ان کو یقین نہیں ہوتا۔

ویسے موجودہ زمانے میں تو آگ سے محفوظ رکھنے والی (Fire proof) چیزیں بھی ایجاد ہو گئی ہیں۔ اب اگر انسان یہ سب کچھ کر سکتا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ خدا نے اپنے ایک خاص بندہ کے حق میں آگ کو بے اثر بنا دیا تھا؟ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی نصرت تھی جو حضرت ابراہیم کے حق میں ظاہر ہوئی، جب کہ وہ توحید کے علمبردار بن کر کافروں کی سلگائی ہوئی آگ میں بے خطر کود پڑے تھے۔

۸۸۔ یعنی ابراہیم کا کچھ نہیں بگڑا بلکہ اس کے خلاف سازش کرنے والے ہی ناکام و نامراد ہوئے۔

۸۹۔ معلوم ہوتا ہے حضرت ابراہیم پر ان کی قوم میں سے ایمان لانے والے صرف حضرت لوط تھے۔ اس لئے مذکورہ واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ہجرت کا حکم دیا چنانچہ وہ ہجرت کر کے فلسطین پہنچے۔

۹۰۔ مراد فلسطین کی سرزمین ہے جو دینی اور دنیوی دونوں برکتوں سے مالا مال ہے۔ دینی برکتوں سے اس طرح کہ حضرت ابراہیم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بہ کثرت انبیاء علیہم السلام کا وہ مسکن قرار پائی، اور دنیوی برکتوں سے اس طرح کہ یہ خطہ بڑا زرخیز اور شاداب ہے۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل، نوٹ ۱۔

۹۱۔ یعنی نہ صرف اسحاق جیسا بیٹا عطا کیا بلکہ یعقوب جیسا پوتا بھی۔ یہ خاندان ابراہیمی کے چشم و چراغ تھے۔

۹۲۔ یعنی یہ شخصیتیں اپنے کردار کے لحاظ سے نہایت پاکیزہ تھیں۔ اس سے بائبل کی ان باتوں کی تردید ہوتی ہیں جو ان کے کردار کو داغدار بناتی ہیں۔

۹۳۔ یعنی یہ انسانوں کے سچے قائد تھے، کیوں کہ وہ ان کو خدا کی راہ دکھاتے اور اس کے حکم کے مطابق رہنمائی کرتے تھے۔ جن لوگوں نے بھی ان کی پیروی کی راہ یاب ہو گئے۔ ان کی قیادت کا امتیازی پہلو یہ تھا کہ وہ نہ خود لیڈر بنے تھے اور نہ انہیں لیڈری کا شوق تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قائد اور امام بنایا تھا اور ان کی زیر قیادت امتیں برپا ہوئیں۔

۹۴۔ خیر کے کاموں کا جامع حکم دینے کے ساتھ، اقامت الصلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا حکم اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے، کہ یہ دونوں عبادتیں خیر کے سرچشمے ہیں۔ ان کے اہتمام سے بھلائیاں پرورش پاتی ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی واضح ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ انبیاء علیہم السلام کی شریعت کے اہم ارکان رہے ہیں۔

۹۵۔ ''حکم'' (حکمت) سے مراد دانشمندی ہے۔ اور علم سے مراد وہ علم ہے جو وحی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔

۹۶۔ مراد ہم جنسی جیسے گھناؤنے کام ہیں۔ قوم لوط کا قصہ سورہ اعراف آیت (۸۰ تا ۸۴)، سورۂ ہود آیت (۷۷ تا ۸۳) اور سورۂ حجر آیت (۶۱ تا ۷۷) میں گذر چکا۔

۹۷۔ یہی بات ہے جو یہاں خاص طور سے واضح کرنا مقصود ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کس طرح اپنے پیغمبروں کی مدد فرماتا رہا ہے۔

۹۸۔ انبیاء علیہم السلام کا اولین وصف ان کا صالح ہونا ہے۔ مگر موجودہ تورات اور بائبل میں ناروا باتیں ان کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں، جن سے ان کی سیرت داغ دار نظر آتی ہے۔ قرآن ان کی صالحیت کا اعلان کرتا ہے، جس سے ان الزامات کی آپ سے آپ تردید ہوتی ہے۔ بقیہ صفحہ ۱۰۸۱ پر

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾

۷۸ اور داؤد، ۱۰۳؎ اور سلیمان، ۱۰۴؎ (کو بھی ہم نے اپنے فضل سے نوازا تھا) جب وہ ایک کھیت کے مقدمہ میں فیصلہ کر رہے تھے جس میں ایک گروہ کی بکریاں رات کو گھس پڑی تھیں تو ہم ان کے قضیہ کو دیکھ رہے تھے۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۡ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾

۷۹ اس وقت ہم نے سلیمان کو اس (مقدمہ) کی سمجھ عطاء کی اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے حکمت اور علم عطا کیا تھا ۱۰۵؎۔ اور داؤد کی ہمنوائی کے لئے ہم نے پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا نیز پرندوں کو بھی۔ وہ اس کے ساتھ تسبیح کرتے تھے ۱۰۶؎، یہ ہماری ہی کارفرمائی تھی۔ ۱۰۷؎

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

۸۰ اور ہم نے اس کو تمہارے لئے زرہ بنانے کی صنعت سکھا دی کہ تمہارے لئے جنگ کے موقع پر تحفظ کا سامان ہو۔ پھر کیا تم شکر گذار ہو؟ ۱۰۸؎

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱ اور ہم نے سلیمان کے لئے تیز ہوا کو مسخر کر دیا تھا جو اس کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے بڑی برکتیں رکھی ہیں ۱۰۹؎۔ ہم ہر چیز کا علم رکھنے والے ہیں۔

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

۸۲ اور شیطانوں میں سے ایسے جو اس کیلئے غوطے لگاتے اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے ہیں ۱۱۰؎۔ ان کے نگراں ہم ہی تھے۔

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۚ ﴿۸۳﴾

۸۳ اور ایوب کو ۱۱۱؎ (بھی ہم نے اپنے فضل سے نوازا تھا) جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں بیماری میں مبتلا ہو گیا ہوں اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ ۱۱۲؎

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ ۡ وَاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴ تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کی تکلیف کو دور کر دیا اور اس کو اس کے اہل و عیال بھی دیئے ۱۱۳؎۔ نیز ان کے ساتھ ان جیسے اور بھی دیئے اپنی طرف سے رحمت کے طور پر۔ اور تاکہ یاددہانی ہو عبادت گذاروں کے لئے۔ ۱۱۴؎

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۚ ﴿۸۵﴾

۸۵ اور اسمٰعیل اور ادریس کو ۱۱۵؎، اور ذوالکفل کو بھی ۱۱۶؎، (اپنے فضل سے نوازا)۔ یہ سب صبر کرنے والے تھے۔

وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾

۸۶ ان کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا۔ یقیناً وہ نیکوکاروں میں سے تھے۔

۱۰۳؎ حضرت داؤد حضرت یعقوب کی نسل سے تھے۔ان کا زمانہ دسویں صدی قبل مسیح کا ہے۔وہ نبی بھی تھے اور خلیفہ بھی،ان پر جو کتاب نازل ہوئی اس کا نام زبور تھا۔

۱۰۴؎ حضرت سلیمان حضرت داؤد کے فرزند تھے۔نبوت کے ساتھ انہیں عظیم الشان اور بے نظیر حکومت عطا ہوئی تھی۔دیکھئے سورہ بقرہ،نوٹ ۱۲۰؎

۱۰۵؎ اس مقدمہ کی کوئی تفصیل قرآن نے بیان نہیں کی۔بلکہ ایک واقعہ کی طرف اشارہ کر دیا جو پیش نظر مقصد کے لئے کافی تھا۔

آیت سے جو بات مجملاً معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت داؤد اور ان کے فرزند حضرت سلیمان علم وحکمت کی بنیاد پر فیصلہ کرتے تھے۔ایک مرتبہ ان کی عدالت میں جس میں دونوں جج کی حیثیت سے موجود تھے ایک مقدمہ پیش ہوا۔رات کے وقت ایک فریق کی بکریوں نے دوسرے فریق کے کھیت میں گھس کر پیداوار کو نقصان پہنچایا تھا۔اس لئے اس نے پہلے فریق کے خلاف نقصان کی تلافی کا دعویٰ کیا۔حضرت سلیمان کو اللہ تعالیٰ نے کمال درجہ کی فہم وفراست عطاء کی تھی اس لئے انہوں نے بہترین فیصلہ سنایا۔اس سلسلے میں قرآن نے نہ تو یہ وضاحت کی ہے کہ وہ فیصلہ کیا تھا اور نہ یہ کہا کہ داؤد کا فیصلہ غلط تھا اور نہ ہی کسی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ منقول ہے۔پھر اٹکل پچو باتیں ان نبیوں کی طرف کیوں منسوب کی جائیں۔

قرآن نے اس قضیہ کا جو حوالہ دیا تو اس سے مقصود دراصل یہ واضح کرنا ہے کہ ان نبیوں پر اللہ کا یہ فضل ہوا،کہ اس نے انہیں اقتدار بخشا اور کرسئ عدالت پر بٹھا کر ان کے فصل مقدمات کی کارروائی کی نگرانی اللہ تعالیٰ فرماتا رہا،یہاں تک کہ جب ایک مقدمہ میں داؤد کو اشکال پیش آیا تو سلیمان کو اس کی سمجھ عطا کی گئی۔ واضح ہوا کہ معاملہ فہمی اور اصابت رائے اللہ ہی کی توفیق پر منحصر ہے۔

داؤد اور سلیمان دونوں باپ بیٹے تھے اور دونوں کو اللہ تعالیٰ نے حکمت اور علم سے نوازا تھا۔لیکن بیٹا اللہ کی توفیق سے معاملہ فہمی میں ایک قدم آگے ہی تھا اور اپنے باپ کا معاون بن گیا تھا۔

۱۰۶؎ حضرت داؤد کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ بخشا تھا کہ جب وہ تسبیح کرتے تو پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ہم نوا بن جاتے اور عجیب سماں بندھ جاتا۔

حضرت داؤد کو زبور کے ساتھ ایک خاص لحن بھی عطا ہوا تھا۔

پہاڑ جمادات میں سے ہیں اور ان کا تسبیح کرنا بظاہر عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔مگر جو خدا عجائبات کا خالق ہے اس نے اگر پیغمبر کے ہاتھ سے یہ معجزہ صادر کر دیا ہو کہ اس کی پاکی کی صدائیں پہاڑ بھی بلند کرنے لگیں،اور اس کی حمد وثناء کے گیت پرندے بھی گانے لگیں،تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ یہ واقعہ تو معجزہ کی بناء پر محسوس شکل میں پیش آیا،ورنہ قرآن تو بار بار یہ حقیقت بیان کرتا ہے کہ زمین وآسمان کا ذرہ ذرہ اس کی تسبیح وتحمید میں لگا ہوا ہے۔مگر انسان اس کو سمجھ نہیں پاتا۔ (سورہ بنی اسرائیل:۴۴)

کسی نے خوب کہا ہے ع ''لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرہ کا دل چیریں''

مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر ذرے کا دل چیریں تو اس میں سے تسبیح ہی کی صدا بلند ہوگی۔اس حقیقت کے پیش نظر پہاڑوں اور پرندوں کا تسبیح خداوندی میں حضرت داؤد کا ہمنوا بن جانا ایمان ویقین میں اضافہ کا موجب ہے۔اس کی تاویل وہی لوگ کرتے ہیں جو ایک معجزہ کو معجزہ کی صورت میں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

۱۰۷؎ یعنی اس معجزہ کا صدور تو حضرت داؤد کے ہاتھ سے ہوتا تھا،لیکن درحقیقت اس کو وقوع میں لانے والا اللہ ہی تھا۔اسی کے حکم سے پہاڑ اور پرند تسبیح پڑھنے لگ جاتے تھے۔

۱۰۸؎ آہنی لباس یعنی زرہ بنانے کا فن اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو سکھایا،نیز ان کو یہ معجزہ بھی عطا کیا تھا کہ لوہا ان کے ہاتھ میں نرم ہو جاتا تھا۔(سورۂ سبا آیت ۱۰) اس زمانہ میں زرہ کی بڑی جنگی اہمیت تھی۔اور یہ چیز جہاد میں ان کیلئے بڑی کارآمد ثابت ہوئی گویا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کیلئے نصرت الٰہی تھی۔

بعد میں زرہ کا یہ فن عام ہوا اور تحفظ کے لئے اسے جنگوں میں استعمال کیا جانے لگا۔ گویا حضرت داؤد کے واسطے سے انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے۔ اس لئے یہاں یہ سوال قائم کیا گیا ہے کہ کیا تم اس پر اللہ کے شکر گذار ہو؟

۱۰۹؎ برکتوں والی سرزمین سے مراد فلسطین اور شام کا علاقہ ہے۔

حضرت سلیمان پر اللہ کا ایک خاص فضل یہ ہوا کہ تیز ہوا ان کی خدمت میں لگا دی گئی، تا کہ ان کا سفر بڑی سرعت کے ساتھ طے ہو۔ اس کی شکل کیا تھی ہمیں نہیں معلوم، ہوسکتا ہے وہ اپنی کرسی کے ساتھ ہوا میں اڑتے ہوں جیسا کہ مفسرین کا خیال ہے۔ بہر صورت یہ ایک غیر معمولی بات تھی اور اللہ کی طرف سے معجزہ تھا، جو اس نے اپنے نبی کے لئے ظاہر فرمایا، اس میں خلاف عقل کوئی بات نہیں تھی۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو راتوں رات مکہ سے بیت المقدس کا سفر کرایا گیا، تو حضرت سلیمان کا ہوا کے دوش پر سوار ہو کر اڑنا کیوں خلاف عقل قرار پائے؟ اور موجودہ زمانے کا انسان سائنس اور ٹکنالوجی کے بل پر ہوائی جہاز میں بیٹھ کر ہزارہا میل کا سفر چند گھنٹوں میں طے کرسکتا ہے، تو اللہ کا ایک نبی اس کے کرشمۂ قدرت سے فضائی سفر کیوں نہیں کرسکتا؟

۱۱۰؎ شیاطین سے مراد سرکش جن ہیں اللہ تعالیٰ نے کتنے ہی سرکش جنوں کو حضرت سلیمان کا تابع کر دیا تھا، تا کہ وہ ان سے اپنے کام لیں جو محنت شاقہ کے بغیر انجام نہیں دیئے جاسکتے تھے۔ مثلاً سمندروں سے جواہرات نکالنا، کرین کے بغیر بڑے بڑے پتھر منتقل کرنا اور شاندار عمارتیں تعمیر کرنا وغیرہ۔

واضح رہے کہ ان غیر معمولی وسائل کو حضرت سلیمان نے بیت المقدس کی تعمیر، جنگی ضروریات کی تکمیل اور اسلامی ریاست کے استحکام کیلئے استعمال کیا تھا۔

یہ بھی واضح رہے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کا زمانہ بنی اسرائیل کے عروج کا زمانہ تھا۔ حضرت داؤد کے زمانہ میں خوب فتوحات ہوئیں اور حضرت سلیمان کے زمانہ میں ایک وسیع اور شاندار اسلامی سلطنت قائم ہوئی جو اپنی بعض خصوصیات کے اعتبار سے بالکل بے مثال تھی۔ اس طرح یہ اس فضیلت کا اتمام تھا جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اقوام عالم پر عطا کی تھی اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو یہ شرف بخشا کہ اس کے ایک فرد کی حکومت جنوں پر بھی قائم ہوئی۔ اور اللہ کی حکمتوں اور مصلحتوں کو وہی بہتر جانتا ہے۔

۱۱۱؎ ایوب علیہ السلام نبی تھے اور ابراہیم علیہ السلام کی نسل تھے۔ ان کی طرف ایک صحیفہ بائبل میں منسوب ہے، مگر اس میں اصل واقعہ کو افسانوی رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ اور ایسی باتیں حضرت ایوب کی طرف منسوب کی گئی ہیں، جو منصب نبوت کے شایان شان نہ ہونے کی بنا پر لائق اعتبار نہیں ہیں۔ نیز اس میں بیان کا تضاد پایا جاتا ہے البتہ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ایوب کا زمانہ حضرت موسیٰ سے پہلے رہا ہوگا۔ وہ عوض کے رہنے والے تھے جو فلسطین کے مشرقی جانب ادوم (Edom) کے شمال مشرق میں واقع تھا۔ (ملاحظہ ہو ایوب ۱: اور نوحہ ۴:۲۱)

۱۱۲؎ حضرت ایوب سخت بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔ انہوں نے شدید تکلیف کے باوجود شکایت کا کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا، بلکہ پیکر صبر بن گئے اور اللہ سے رحم کی درخواست کی تو وہ بھی اس لطیف پیرایہ میں کہ تو ارحم الراحمین ہے جو سرتا سر حمد تھی۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مختلف آزمائشوں سے گذارا ہے۔ کسی کو شان و شوکت عطاء کر کے، جیسا کہ حضرت سلیمان کے ساتھ معاملہ ہوا اور کسی سے وسائل چھین کر اور اسے بیماری میں مبتلا کر کے، جیسا کہ حضرت ایوب کے ساتھ ہوا، تا کہ انبیاء کی مثالی زندگی کے مختلف نمونے لوگوں کے سامنے رہیں اور وہ نرم و گرم ہر طرح کے حالات میں ان کے اسوہ کی پیروی کریں۔

اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اگرچہ اللہ کے مقرب بندے ہوتے ہیں، لیکن وہ اپنی تکلیف دور کرنے پر قادر نہیں ہوتے، بلکہ اللہ ہی سے اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اور وہی ان کی تکلیف کو دور کرتا ہے۔ جب کوئی نبی اپنی تکلیف کو دور نہیں کرسکتا تو وہ دوسروں کی تکلیف کو کیا دور کرسکتا ہے۔ پھر خدا کو چھوڑ کر کسی نبی کو فریاد کے لئے پکارنے میں کیا تک ہے۔

۱۱۳؎ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسی صورت پیش آئی تھی کہ حضرت ایوب کے اہل و عیال بچھڑ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان کی دعا قبول کی اور انہیں صحتیاب

کیا تو ایسے اسباب کر دیئے کہ ان کے اہل وعیال بھی ان کے پاس پہنچ گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا مزید فضل یہ ہوا کہ ان کے اہل وعیال میں مزید اتنی ہی تعداد کا اضافہ ہوا یعنی مزید بیوی بچے ملے۔

۱۱۴؎ یعنی جو لوگ اللہ ہی کی عبادت کرتے اور اس کے بندے بن کر رہتے ہیں، وہ حضرت ایوب کے اس واقعہ سے یہ سبق حاصل کریں، کہ نیک لوگ بعض مرتبہ ایسی آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں کہ انہیں اپنی صحت سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اور ان کے بال بچے بھی بچھڑ جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں صبر ایوب ان کے لئے امید کی کرن بن سکتا ہے۔

۱۱۵؎ دیکھئے سورہ مریم، نوٹ ۷۷؎۔

۱۱۶؎ ذوالکفل کا ذکر قرآن نے صبر کرنے والے انبیاء علیہم السلام میں کیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں سخت آزمائشوں سے گذرنا پڑا تھا۔ اس کے بارے میں کوئی تفصیل نہ قرآن میں بیان ہوئی ہے اور نہ حدیث میں۔ رہی بائبل تو اس میں اس نام سے کسی نبی کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ حزقیل نبی کے نام سے ایک صحیفہ موجود ہے جنہیں بخت نصر کے زمانہ میں ابتلاء سے گذرنا پڑا تھا۔ اس لئے بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ذوالکفل حزقیل ہی کا لقب رہا ہوگا۔

عراق میں الحلیہ سے قریب الکفل کے نام سے ایک مقام ہے جہاں حضرت حزقیل کی قبر بتائی جاتی ہے۔ مگر اس سلسلہ میں ہمیں کوئی علمی شہادت نہیں ملی اس لئے توقف ہی بہتر ہے۔

❑❑❑❑❑❑

بقیہ صفحہ ۱۰۷۷ سے آگے

حضرت لوط پر ایک بہت ہی شرمناک الزام بائبل کی کتاب پیدائش (۱۹:۳۲ تا ۳۸) میں لگایا گیا ہے۔ یہ اتنا لغو ہے کہ اس کو نقل کرنا طبیعت پر سخت گراں ہے۔

۹۹؎ حضرت نوح کی سرگزشت سورۂ اعراف (آیت ۵۹ تا ۶۴)، سورۂ یونس (آیت ۷۱ تا ۷۳) اور سورۂ ہود (آیت ۲۵ تا ۴۹) میں گزر چکی۔

۱۰۰؎ حضرت نوح کی دعا سورۂ قمر آیت ۱۰ اور سورہ نوح آیت ۲۶ تا ۲۸ میں مذکور ہے۔

۱۰۱؎ سخت تکلیف (کرب عظیم) سے مراد کافرانہ اور مخالفانہ ماحول کی گھٹن بھی ہے، اور وہ عذاب بھی جو اس قوم پر آیا۔

۱۰۲؎ اور یہاں یہی واضح کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اپنے نبیوں کی مدد کرتا رہا ہے۔

وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

۸۷ اور ذوالنون (مچھلی والے) کو بھی ۱۱۷ ۔ (ہم نے اپنے فضل سے نوازا تھا) جب وہ برہم ہو کر چلا گیا تھا اور سمجھا تھا کہ ہم اس پر گرفت نہ کریں گے ۱۱۸ ۔ پھر تاریکیوں میں سے اس نے پکارا ۱۱۹ ۔ کہ تیرے سوا کوئی خدا نہیں، تو پاک ہے بلا شبہ میں ہی قصوروار ہوں۔ ۱۲۰ ۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

۸۸ اس وقت ہم نے اس کی دعا قبول کی ۱۲۱ ۔ اور گھٹن سے اس کو نجات دی ۱۲۲ ۔ اس طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں۔ ۱۲۳ ۔

وَ زَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾

۸۹ اور زکریا (کو بھی ہم نے اپنے فضل سے نوازا) نے اپنے رب کو پکارا کہ اے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑ ۱۲۴ ، اور تو ہی بہترین وارث ہے۔ ۱۲۵ ۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَ وَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ۭ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾

۹۰ تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے یحییٰ عطا فرمایا۔ اور اس کی بیوی کو اس کے لئے سازگار بنا دیا ۱۲۶ ۔ یہ لوگ نیکی کے کاموں میں سرگرم رہتے ۱۲۷ ، اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے ۱۲۸ ۔ اور ہمارے آگے عاجزی کرنے والے تھے۔ ۱۲۹ ۔

وَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾

۹۱ اور وہ جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی ۱۳۰ ۔ ہم نے اس کے اندر اپنی روح پھونک دی ۱۳۱ ۔ اور اس کو اور اس کے بیٹے کو دنیا والوں کے لئے ایک نشانی بنا دیا۔ ۱۳۲ ۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ڮ وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾

۹۲ یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے ۱۳۳ ۔ اور میں ہی تمہارا رب ہوں لہٰذا میری عبادت کرو۔ ۱۳۴ ۔

وَ تَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾

۹۳ مگر لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ۱۳۵ ۔ سب کو بالآخر ہماری ہی طرف پلٹنا ہے۔ ۱۳۶ ۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾

۹۴ تو جو نیک عمل کرے گا اور وہ مومن بھی ہوگا تو اس کی کوشش کی ناقدری نہ ہوگی ۱۳۷ ۔ اور اسے ہم لکھ رہے ہیں۔ ۱۳۸ ۔

وَ حَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾

۹۵ اور جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا اس کے لئے حرام ہے کہ اس کے رہنے والے پلٹ آئیں۔ ۱۳۹ ۔

۱۱۷؎ ذوالنون کے معنیٰ ہیں مچھلی والے۔ یہ حضرت یونس علیہ السلام کا لقب ہے۔ اور اس امتیازی لقب سے وہ اس لئے نوازے گئے کہ انہیں مچھلی نے نگل لیا تھا اور بعد میں انہیں زندہ اُگل دیا۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ یونس نوٹ ۹۷؎)

۱۱۸؎ حضرت یونس کو نینوا کی قوم کی طرف بھیجا گیا تھا۔ وہاں وہ ایک عرصہ تک دعوت پیش کرتے رہے۔ لیکن جب لوگ ایمان لانے کے لئے آمادہ نہیں ہوئے تو وہ برہم ہو کر وہاں سے چل دیئے، کہ ایسی جاہل قوم کو کب تک سمجھاتے رہیں گے۔ انہوں نے سمجھا کہ جو قدم انہوں نے اٹھایا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت نہیں ہوگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر گرفت کی کیوں کہ ایک نبی کے لئے یہ روا نہ تھا کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر اس قوم کو چھوڑ کر چلا جائے، جس کو پیغام پہنچانے پر اُسے مامور کیا گیا ہے۔ حضرت یونس کی نظر سے یہ پہلو اوجھل رہ گیا اور ان سے لغزش ہوگئی۔ مگر چونکہ یہ لغزش ایک نبی سے اس کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے معاملہ میں ہوئی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو سخت آزمائش میں ڈال دیا۔ اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ جب وہ نینویٰ سے ساحل سمندر پہنچے اور یافا جانے کے لئے کشتی میں سوار ہو گئے۔۔۔۔ اس زمانہ میں یروشلم کے لئے قریبی بندرگاہ یافا تھی جو بحر روم کے ساحل پر تھی۔۔۔۔ تو کشتی طوفان کے زد میں آ گئی اور حضرت یونس کو ایک بڑی مچھلی نے اللہ کے حکم سے نگل لیا۔ (تفصیلی ذکر سورۂ صافات میں ہوا ہے۔)

۱۱۹؎ یعنی مچھلی کے پیٹ میں سے پکارا جہاں تاریکیاں ہی تاریکیاں تھیں، ایک تو مچھلی کے پیٹ کی تاریکی مزید سمندر کی تہوں کی تاریکیاں!

۱۲۰؎ مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونس پر جو کچھ بیتی ہوگی اس کا تصور بھی مشکل ہے۔ اس کے باوجود کوئی حرف شکایت ان کی زبان پر نہیں آیا۔ اس موقع پر انہوں نے اللہ سے جو فریاد کی وہ سرتاسر اللہ کی حمد وثنا اور اپنے قصور کے اعتراف پر مشتمل ہے۔ مچھلی کے پیٹ میں بھی انہوں نے توحید ہی کی صدا بلند کی اور اس کی پاکی بیان کرتے ہوئے اپنے قصور کا سخت سے سخت الفاظ میں اعتراف کیا۔ ان کا یہ اخلاص اور ان کی یہ انابت ان کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔

۱۲۱؎ یہ دعا دل سے نکلی تھی اور عجز و نیاز میں ڈوبی ہوئی تھی اس لئے تاریکیوں کو چیرتی ہوئی عرش تک پہنچ گئی اور بارگاہ خداوندی میں قبولیت اختیار کر گئی۔

۱۲۲؎ چنانچہ مچھلی نے انہیں ساحل پر زندہ اُگل دیا۔

۱۲۳؎ یعنی یہ مثال ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ اہل ایمان کو طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالتا ہے، کہ یہ دنیا کی زندگی آزمائش ہی کی زندگی ہے لیکن جب اہل ایمان ان آزمائشوں میں پورے اترتے ہیں تو وہ ان کی نجات کا سامان بھی کر دیتا ہے۔

۱۲۴؎ حضرت زکریا کی دعا اولاد کے لئے تھی، ایسی اولاد جو علم نبوت کی وارث ہو۔ (تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ مریم نوٹ ۸؎)

۱۲۵؎ یعنی بالآخر ہر چیز کا مالک تو ہی ہے اور تو بہترین مالک ہے۔

۱۲۶؎ حضرت زکریا کی بیوی بانجھ تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے بانجھ پن کو دور کر کے یحییٰ جیسا فرزند عطا کیا۔

(مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورہ مریم، نوٹ ۱۱ تا ۱۴)

۱۲۷؎ یعنی جن انبیاء علیہم السلام کا حال اوپر بیان ہوا وہ سب نیکی کے معاملہ میں سبقت کرنے والے، اور پوری مستعدی کے ساتھ اس راہ میں آگے بڑھنے والے تھے۔ واضح ہوا کہ نیکی کے کاموں میں سرگرمی دکھانا انبیائی اوصاف میں سے ہے۔

۱۲۸؎ یہ ہے بندہ کا اپنے رب سے تعلق کے سلسلے میں معیار مطلوب، کہ یہ تعلق محض خوف کی بنا پر نہ ہو بلکہ پورے قلبی میلان اور رغبت کے ساتھ ہو۔ وہ اپنے رب کو پکارے اور اس کی عبادت کرے تو محبت اور خوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ۔

۱۲۹؎ یعنی یہ شخصیتیں جن کا ذکر اوپر ہوا نہایت بلند مرتبہ شخصیتیں تھیں۔ لیکن ان میں تکبر کا شائبہ نہیں تھا۔ وہ اللہ کے حضور سرتاپا عجز و نیاز میں ڈوبے رہتے اور خشوع کے ساتھ زندگی بسر کرتے۔

۱۳۰؎ مراد حضرت مریم ہیں جو ایک پاکدامن خاتون تھیں۔

۱۳۱؎ روح کی نسبت اللہ کی طرف ایسی ہی ہے جیسے خانہ کعبہ کی نسبت اللہ کی طرف۔یعنی یہ نسبت روح کے شرف کو واضح کرتی ہے۔(مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ نساء نوٹ ۲۷۹؎)

۱۳۲؎ نشانی اللہ تعالیٰ کے کرشمۂ قدرت کی۔اصل چیز اس کا حکم ہے۔اس کا حکم ہوا اس لئے ایک باکرہ نے بچہ کو جنم دیا اور اس کا حکم ہوا اس لئے بغیر باپ کے ایک بچہ پیدا ہوا۔

۱۳۳؎ یہ خطاب تمام انبیاء علیہم السلام سے ہے۔اور امت سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی راہ اختیار کی۔مطلب یہ ہے کہ تمام انبیاء کے پیرو، خواہ وہ مختلف گروہوں کی شکل میں رہے ہوں، درحقیقت امت واحدہ ہیں، کیوں کہ سب کا دین ایک ہی دین (اسلام) رہا ہے۔

۱۳۴؎ یعنی تمام انبیاء کو اور ان کے واسطہ سے ان کے پیروؤں کو توحید ہی کی تعلیم دی گئی تھی۔

۱۳۵؎ یعنی لوگوں کو جو دین اسلام انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے ملا تھا وہ صرف ایک دین یعنی اسلام ہی تھا۔لیکن لوگوں نے اس دین میں اپنی طرف سے کمی بیشی کی بدعتیں نکالیں، حاشئے چڑھائے، حلال کو حرام سے اور حرام کو حلال سے بدل دیا۔اس طرح مذہبی رسوم کے جب الگ الگ مجموعے تیار ہو گئے تو ان کے نام بھی الگ الگ رکھے اور اس کی بنیاد پر گروہ بندیاں بھی ہو گئیں۔

اس حقیقت کے پیش نظر مختلف اور متعدد مذاہب کو دیکھ کر یہ دھوکا نہیں کھانا چاہئے کہ ہر مذہب، خدا کا بھیجا ہوا مذہب ہے، بلکہ یہ لوگوں کے اپنے تراشیدہ مذہب ہیں۔

۱۳۶؎ یعنی مذہب کے یہ اختلافات تا بہ کئے سب کو ایک دن خدا کے حضور حاضر ہونا ہے، اس دن پتہ چلے گا کہ فی الواقع اللہ کا دین کیا تھا اور لوگ کس طرح لیپا پوتی کرتے رہے۔

۱۳۷؎ یعنی مذاہب کی اس کشمکش میں اللہ کے ہاں جو چیز انسان کے عمل کے لئے قبولیت کا معیار قرار پائے گی، وہ نیک اعمال ہوں گے جو اس نے ایمان رکھتے ہوئے انجام دیئے ہوں گے، نہ کہ کسی مذہب کی چھاپ۔

واضح رہے کہ نیک عمل شریعتِ الٰہی سے آزاد ہو کر نہیں کئے جا سکتے۔مثال کے طور پر نماز وہی معتبر ہوگی جو شریعت کے مطابق ادا کی گئی ہوگی۔اس کے علاوہ نماز جس شکل میں پڑھی جائے گی حقیقت میں نماز نہ ہوگی۔اور نہ اس کا شمار نیک اعمال میں ہوگا، بلکہ خلاف شرع طریقہ اختیار کرنے کی بنا پر ایسا شخص گنہگار ہوگا۔ پھر قبولیت اعمال کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ وہ شخص مؤمن ہو۔اور مؤمن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان تمام باتوں کو دل سے مانتا ہو اور ان کا اقرار کرتا ہو جن پر ایمان لانے کی دعوت قرآن دے رہا ہے۔

۱۳۸؎ یعنی اس کے اعمال کا ریکارڈ تیار کر رہے ہیں۔

۱۳۹؎ یعنی کسی ہلاک شدہ بستی کے لوگ دوبارہ دنیا میں نہیں آسکتے، کہ پھر انہیں اصلاح کا موقع ملے۔ان کا لوٹنا قیامت تک ممکن نہیں۔اور جب حقیقت واقعہ یہ ہے تو لوگوں کو متنبہ ہونا چاہئے اور اس موقع کو غنیمت جاننا چاہئے جو انہیں اپنی اصلاح کے لئے مل رہا ہے۔

یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دئے جائیں گے اور وہ ہر
بلندی سے امنڈ پڑیں گے۔ اور وعدۂ حق قریب آ لگے گا، تو اچانک ان
لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی جنہوں نے کفر کیا تھا۔ وہ
پکار اٹھیں گے افسوس ہم پر! ہم اس سے غفلت میں رہے بلکہ ہم
خطا کار تھے۔ تم اور وہ چیزیں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے ہو
جہنم کا ایندھن ہیں۔ تمہیں لازماً وہاں پہنچنا ہے۔ اگر واقعی یہ خدا ہوتے
تو وہاں نہ پہنچتے۔ اور سب کو ہمیشہ اسی میں رہنا ہے۔ (القرآن)

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ
حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾
وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِىَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ
كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٩٧﴾
اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿٩٨﴾
لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ
وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٩٩﴾
لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ
عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿١٠١﴾
لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِىْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ
خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٢﴾
لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ
الَّذِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾
يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَىِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ
خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٠٤﴾
وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ
الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿١٠٥﴾
اِنَّ فِىْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿١٠٦﴾

۹۶ یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیے جائیں گے اور وہ
ہر بلندی سے امنڈ پڑیں گے۔ ۱۴۰
۹۷ اور وعدۂ حق قریب آ لگے گا، ۱۴۱ تو اچانک ان لوگوں کی آنکھیں
پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی جنہوں نے کفر کیا تھا ۱۴۲ ۔ وہ پکار اٹھیں گے
افسوس ہم پر! ہم اس سے غفلت میں رہے بلکہ ہم خطا کار تھے۔ ۱۴۳
۹۸ تم اور وہ چیزیں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے ہو جہنم کا
ایندھن ہیں ۱۴۴ تمہیں لازماً وہاں پہنچنا ہے۔
۹۹ اگر واقعی یہ خدا ہوتے تو وہاں نہ پہنچتے۔ اور سب کو ہمیشہ اسی میں
رہنا ہے۔ ۱۴۵
۱۰۰ وہاں وہ چیختے چلاتے رہیں گے اور کچھ نہ سنیں گے۔
۱۰۱ البتہ جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے اچھے انجام کا وعدہ
پہلے ہی ہو چکا ہے ۱۴۶ ۔ وہ اس سے دور رکھے جائیں گے۔
۱۰۲ وہ اس کی بھنک بھی نہ سنیں گے اور اپنی من بھاتی نعمتوں میں
ہمیشہ رہیں گے۔
۱۰۳ ان کو (اس دن کی) بڑی گھبراہٹ پریشان نہ کرے گی اور
فرشتے ان کا خیر مقدم کریں گے۔ کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے
وعدہ کیا جا رہا تھا۔ ۱۴۷
۱۰۴ جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح
اوراق کو طومار میں لپیٹ دیا جاتا ہے ۱۴۸ ۔ جس طرح ہم نے پہلی
پیدائش کا آغاز کیا تھا اسی طرح ہم اسے دہرائیں گے۔ یہ وعدہ ہے
ہمارے ذمہ ہم اس کام کو کر کے رہیں گے۔
۱۰۵ اور زبور میں ہم نے نصیحت کے بعد لکھ دیا تھا کہ زمین کے
وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔ ۱۴۹
۱۰۶ اس میں بڑی خوشخبری ہے ان لوگوں کے لئے جو عبادت گزار
ہیں۔ ۱۵۰

۱۴۰؎ یاجوج و ماجوج کی تشریح سورۂ کہف نوٹ ۱۱۸؎ میں گذر چکی۔ وہاں ہم واضح کر چکے ہیں کہ یہ قوقاز (کوہ قاف) (Caucasus) کے شمالی جانب وحشی قبائل تھے، جو درۂ دار یال کو عبور کر کے آتے اور غارتگری کرتے تھے۔ ان کے حملوں کو روکنے کے لئے قریب میں بسنے والی ایک قوم کی درخواست پر ذوالقرنین نے آہنی دیوار تعمیر کی تھی جس سے یاجوج ماجوج کی راہ بند ہوگئی تھی۔

انقلاب زمانہ کے نتیجے میں یہ دیوار رکاوٹ نہیں رہی کیوں کہ دوسری راہیں کھل چکی ہیں۔ اور نہ ہی یاجوج ماجوج کے نام سے کوئی قوم پہچانی جاتی ہے۔ اس لئے قرآن کی پیشین گوئی کہ یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے، جب وقوع میں آئے گی تو اس کی تاویل (اصل حقیقت) واضح ہوجائے گی۔ محض قیاس کی بنیاد پر کچھ کہنا صحیح نہ ہوگا۔ اور نہ ان روایات پر اعتماد کرنا صحیح ہوگا جو نہ اسناد کے اعتبار سے صحت کے معیار پر پوری اترتی ہیں اور نہ ان کا متن (مضمون) نکارت اور دوسرے نقائص سے پاک ہے۔ مثال کے طور پر ترمذی کی یہ حدیث کہ یاجوج ماجوج، روزانہ دیوار (سد) کو کھودتے رہتے ہیں اور جب اس میں شگاف ڈالنے کے قریب ہوتے ہیں تو ان کا سردار کہتا ہے کہ واپس چلو کل اس میں شگاف ڈال دیں گے، مگر اللہ تعالیٰ اس کو درست فرما دیتا ہے۔ اس طرح وہ روزانہ کھودتے رہتے ہیں یہاں تک جب وقت مقررہ آجائے گا تو ان کا سردار کہے گا واپس چلو انشاء اللہ کل اس میں شگاف ڈال دیں گے۔ دوسرے روز وہ دیوار کو اسی حالت میں پائیں گے جس حالت میں وہ چھوڑ کر گئے تھے۔ چنانچہ وہ اس میں شگاف ڈال کر نکل آئیں گے۔

امام ترمذی نے اس روایت کو ابواب تفسیر میں سورۂ کہف کے ذیل میں نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور ہم اسی طریقۂ اسناد سے ایسی باتیں جانا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ حدیث نہ اسناد کے اعتبار سے صحیح ہے اور نہ متن کے اعتبار سے۔ چنانچہ مشہور مفسر علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس حدیث کے متن کو آپ کا ارشاد قرار دینے میں نکارت ہے، کیوں کہ آیت کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ نہ تو اس دیوار پر اس کے مستحکم ہونے کی وجہ سے چڑھ سکتے ہیں، اور نہ اس میں نقب لگا سکتے ہیں۔ لیکن کعب احبار سے اسی طرح کی روایت منقول ہے اور معلوم ہوتا ہے ابوہریرہ نے ان سے یہ (اسرائیلی) روایت لے لی۔ کیوں کہ وہ ان کے ساتھ زیادہ بیٹھا کرتے تھے اور (اسرائیلی قصے) بیان کیا کرتے تھے، تو ابوہریرہ نے یہ قصہ بیان کیا ہوگا اور بعض راویوں کو یہ وہم ہوا ہوگا کہ یہ روایت مرفوع ہے (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے) ۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۰۵)

ترمذی کی اس حدیث کے راوی ابوعوانہ ہیں جن کے بارے میں محدثین نے صراحت کی ہے، کہ جب وہ اپنے حافظہ سے کوئی حدیث بیان کرتے ہیں تو بسا اوقات غلطی کر جاتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۱۶ تا ۱۲۰)

تعجب ہے کہ ایک ایسی روایت کو جو قرآن کے ظاہری مفہوم کے خلاف ہے اور جس کی نکادت (نامعقولیت) بالکل واضح ہے ترمذی میں جگہ مل گئی۔ کاش کہ حدیث کی یہ مستند کتابیں اس قسم کی بے سروپا روایتوں سے پاک ہوتیں!

قرآن کی اس آیت پر، اور اس کے سیاق و سباق پر، نیز سورۂ کہف کی ان آیات پر، جن میں یاجوج ماجوج کا ذکر ہوا ہے غور کرنے سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ قوموں کی ہلاکت کا سلسلہ ان کے کفر اور ظلم کی بنا پر دنیا میں جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ دنیا اپنی ہلاکت کے آخری مرحلہ میں پہنچ جائے گی۔ اس وقت دنیا میں دو زبردست مفسد طاقتیں ابھریں گی، جو اپنی اصل کے اعتبار سے یاجوج ماجوج ہوں گی۔ (خواہ وہ دنیا میں کسی نام سے پکاری جاتی ہوں) یہ زمین کے بلند حصوں (شمال) کی طرف سے نکل پڑیں گی اور پوری دنیا میں (نہ کہ خاص مسلمانوں میں) فساد برپا کریں گی۔ معلوم ہوتا ہے ان کی یہ یلغار عالمگیر جنگ کی صورت اختیار کرے گی اور ان کے پاس دنیا کو تباہ کرنے کا بھرپور سامان ہوگا۔ (غالباً جدید نیوکلیئر میزائیل کیوں کہ بعض حدیثوں میں ان کے آسمانوں پر تیر چلانے کا ذکر آتا ہے) اس لئے وہ بہت بڑے پیمانے پر انسانی آبادیوں کو تباہ کرتے ہوئے آگے بڑھیں گی۔ اس طرح ان کے ہاتھوں دنیا کی کافر قوموں کی آخری ہلاکت ہوگی اور اس کے بعد بس قیامت ہی قائم ہوں گی۔

۱۴۱؎ مراد قیامت کا وعدہ ہے، یعنی یاجوج ماجوج کے امنڈ پڑنے کے بعد قیامت بہت جلد برپا ہوجائے گی۔ گویا اس وقت انسانیت موت کے دہانے پر ہوگی۔

۱۴۲؎ یعنی پھر جب قیامت قائم ہوگی اور سب کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، تو کافروں کے لئے یہ حادثہ غیر متوقع ہوگا۔ اس لئے ان کی آنکھیں حیرت اور دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

۱۴۳؎ یعنی قیامت کے دن کافر نہ صرف اپنی غفلت میں پڑے رہنے کا اعتراف کریں گے بلکہ اپنے خطا کار ہونے کا بھی۔

معلوم ہوا کہ آخرت پر ایمان لانے میں سب سے بڑی رکاوٹ انسان کی غفلت ہے، اور غفلت بھی ایسی جو مجرمانہ نوعیت کی ہے، یعنی آخرت کے دلائل واضح ہو جانے کے باوجود انسان اس کو قبول کرنے سے اس لئے پہلوتہی کرتا ہے، کہ اس کو ماننے کی صورت میں وہ اپنی من مانی زندگی نہیں گذار سکتا۔ اس طرح اس کی خواہشات اس کی توجہ آخرت کی طرف سے ہٹا کر اس کو دنیوی زندگی میں الجھائے رکھتی ہے۔

۱۴۴؎ خطاب مشرکین سے ہے کہ تم اور تمہارے یہ بت جن کی تم پوجا کرتے ہو جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں۔ بت جہنم میں اس لئے پہنچا دئے جائیں گے تا کہ ان کے پرستاروں کو محسوس ہو کہ، جن کی وہ خدا سمجھ کر پرستش کرتے رہے ہیں وہ ان کے کچھ کام آنے سے رہے۔ بلکہ ان کے عذاب میں اضافہ کا سبب بنے ہیں۔ کتنا دردناک ہوگا وہ منظر جہاں جھوٹے خداؤں کے پرستار اپنے خداؤں سمیت آگ میں جل رہے ہوں گے۔ ع

''ہم تو ڈوبے ہیں صنم تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے''

بت پرست اگر جہنم کے اس منظر کا تصور ہی کر لیں تو شرک سے توبہ کر لیں۔

یہاں یہ سوال بے معنیٰ ہے کہ اگر معبود بھی جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں تو انبیاء علیہم السلام کو بھی لوگوں نے معبود بنا لیا تھا پھر ان کا کیا ہوگا؟ کیوں کہ اول تو قرآن نے (**وماتعبدون** اور جن چیزوں کی تم پرستش کرتے ہو) کے الفاظ استعمال کئے ہیں جن میں لفظ **ما** بالعموم غیر جاندار چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور یہاں بت اور جمادات کے قسم کی چیزیں ہی مراد ہیں جن کی مشرکین پرستش کرتے رہے۔ دوسرے قرآن نے آگے آیت ۱۰۱ میں یہ صراحت کر دی ہے کہ **اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِنَّا الْحُسْنٰیٓ اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ** (جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے اچھے انجام کا وعدہ پہلے ہی ہو چکا وہ اس سے دور رکھے جائیں گے۔) اور قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان کے بارے میں، ان کے آگ سے محفوظ رکھے جانے اور جنت میں داخل کئے جانے کی بات اس کثرت سے بیان ہوئی ہے، کہ کسی غلط فہمی کے لئے ادنیٰ گنجائش بھی باقی نہیں رہتی۔

۱۴۵؎ یعنی بت بھی اور ان کے پرستار بھی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ یہاں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ قرآن بت پرستی کا وہ انجام جو آخرت میں ہونے والا ہے بت پرستوں کے سامنے دوٹوک الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ لہٰذا اسلام کے ایک داعی کو بھی شرک و بدعت کے خلاف دوٹوک انداز اختیار کرنا چاہئے اور بے لاگ طریقہ پر اس کا اخروی انجام بیان کرنا چاہئے، خواہ بتوں کے پرستاروں کو یہ بات کتنی ہی کڑوی کیوں نہ لگے۔ ڈاکٹر کا کام صحیح طور سے علاج کرنا ہے اگرچہ اسے کڑوی دوا دینی پڑے یا انجکشن لگانا پڑے۔

۱۴۶؎ یعنی مخلص مؤمنوں اور متقیوں کے لئے جن کی زندگیاں صالحیت کی آئینہ دار تھیں۔

۱۴۷؎ یہ آیتیں اس بات کی صراحت کرتی ہیں، کہ جو لوگ اللہ کی طرف سے کئے گئے جنت کے وعدہ کے مستحق قرار پائیں گے، ان کو قیامت کے دن کوئی پریشانی لاحق نہ ہوگی۔ اور وہ جہنم سے اتنی دور رکھے جائیں گے کہ اس کی دھیمی آواز تک نہ سن سکیں گے۔ اس سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ مخلص مؤمنوں کو بھی جہنم کے پاس سے گزرنا ہوگا۔ قرآن میں دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے: **فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیْنِہٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا**۔ ''تو جس کا نامۂ عمل اس کے داہنے ہاتھ میں دیا گیا اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔'' (سورۂ انشقاق ۷۔۸)

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ مریم نوٹ ۹۵؎۔

۱۴۸؎ یعنی قیامت کے دن آسمان کی بساط لپیٹ دی جائے گی، تا کہ اس دنیا کی جگہ ایک نئی دنیا نئے نظام کے ساتھ وجود میں لائی جائے۔ مادہ پرست لوگ

کائنات کو ازلی خیال کرتے ہیں، لیکن قرآن اس کے آغاز کا بھی پتہ دیتا ہے اور انجام کا بھی۔

اگر دنیا میں کسی چیز کی تعمیر کا آغاز شکست وریخت سے ہوتا ہے، تو جہان نو کی تعمیر کے لئے موجودہ دنیا کی شکست وریخت ہرگز قابل تعجب نہیں ہے، اور نہ یہ بات قابل تعجب ہے کہ ایک ترقی یافتہ کائنات اس کائنات کی جگہ لے لے۔

(مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ ابراہیم، نوٹ ۷۱۔)

۱۴۹۔ زمین سے مراد جنت کی زمین ہے جیسا کہ سورۂ زمر کی آیت ۷۴ سے واضح ہے:

وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ۔

''اور ہمیں زمین کا وارث بنا دیا کہ جنت میں جہاں چاہیں رہیں۔''

اور اس کا وارث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ زمین جو دائمی ہوگی، اور اپنی بہترین خصوصیات کی بنا پر بالکل بے مثال ہوگی، اللہ کے نیک بندوں کے حصہ میں آئے گی۔ ان ہی کو اس پر بسایا جائے گا اور ان ہی کو اس پر اقتدار حاصل ہوگا۔

آیت میں زبور کا حوالہ دیا گیا ہے جو حضرت داؤد پر نازل ہوئی تھی۔ اس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ جہاں تک موجودہ زمین کے اقتدار کا تعلق ہے وہ ایک آزمائشی چیز ہے، اور یہ خدا سے غافل لوگوں کو بھی حاصل ہوتا ہے، اور اس کے نیک بندوں کو بھی۔ چنانچہ حضرت داؤد کو جو پیغمبر تھے خلیفہ بنایا گیا تھا۔ رہی ابدی کامیابی تو جو کتاب انہیں عطا ہوئی تھی اس میں خدا اور آخرت کے بارے میں یاددہانی کراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ بالآخر زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ موجودہ زبور میں جو بائبل کے مجموعہ میں شامل ہے، اس مضمون کی ایک جھلک ہی دیکھی جاسکتی ہے۔ جہاں تک ذکر یعنی یاددہانی کا تعلق ہے زبور کے درج ذیل اقتسابات ملاحظہ ہوں:

''خداوند پر توکل کر۔ ملک میں آباد رہ اور اس کی وفاداری سے پرورش پا، خداوند میں مسرور رہ اور وہ تیرے دل کی مرادیں پوری کرے گا۔'' (زبور ۳۷: ۳، ۴)

''بدی کو چھوڑ دے اور نیکی کر اور ہمیشہ تک آباد رہ کیوں کہ خداوند انصاف کو پسند کرتا ہے اور اپنے مقدسوں کو ترک نہیں کرتا وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہیں''۔ (زبور ۳۷۔ ۲۷، ۲۸) رہا زمین کے وراثت کا فرمان تو زبور کے اسی باب میں ہے:

''صادق زمین کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ بسے رہیں گے۔ (زبور ۳۷۔۲۹)

'' خداوند کی آس رکھ اور اسی کی راہ پر چلتا رہ۔ اور وہ تجھے سرفراز کرکے زمین کا وارث بنائے گا۔'' (زبور ۳۷۔ ۳۴)

''ہمیشہ سے رہیں گے'' کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ زمین سے مراد جنت ہی کی زمین ہے اور آیت زیر تفسیر سے پہلے (آیت ۱۰۴ میں) جو مضمون بیان ہوا ہے وہ آخرت ہی سے متعلق ہے۔ اس لئے محل کلام دلیل ہے کہ یہاں مراد جنت کی زمین ہے۔

۱۵۰۔ عبادت گزار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی کے پرستار اور اس کے وفادار بندے بن کر رہیں گے۔ اوپر صالحین سے وعدہ تھا یہاں عابدین (عبادت گذار لوگوں) کو خوشخبری دی گئی۔ گویا ایک صفت دوسری صفت کی تشریح ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷ اور (اے پیغمبر) ہم نے تم کو دنیا والوں کے لئے سرتاسر رحمت بنا کر بھیجا ہے۔۱۵۱؎

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸ کہو میری طرف یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے ۱۵۲؎ ۔تو کیا تم مسلم ہوتے ہو (اس کے فرمانبردار بنتے ہو)؟

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹ اگر وہ رُخ پھیرتے ہیں تو کہدو میں نے تمہیں علی الاعلان خبردار کر دیا ہے ۔اب میں نہیں جانتا جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے وہ قریب ہے یا دور؟ ۱۵۳؎

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰ بے شک وہ جانتا ہے اس بات کو بھی جو کھل کر کہی جاتی ہے اور اس بات کو بھی جو تم چھپاتے ہو۔ ۱۵۴؎

وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱ اور مجھے نہیں معلوم ۔ہوسکتا ہے یہ تمہارے لئے آزمائش اور ایک وقت تک کے لئے دنیوی فائدہ کا سامان ہو۔ ۱۵۵؎

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰي مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

۱۱۲ (پیغمبر نے) دعا کی اے میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ کر دے ۱۵۶؎ ۔اور ہمارا رب رحمٰن ہے جس سے مدد مانگی گئی ہے ان باتوں کے مقابلہ میں جو تم لوگ بناتے ہو۔ ۱۵۷؎

۱۵۱؎ یعنی نبی ﷺ کی بعثت دنیا والوں کے لئے باعث رحمت ہے۔ کیوں کہ آپ کے ذریعہ لوگ اپنے رب کی صحیح معرفت حاصل کرلیں گے اور آپ کی رہنمائی میں زندگی بسر کر کے اس کی رحمت کے مستحق بن جائیں گے۔

لِلعالمین (دنیا والوں کے لئے) کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی بعثت کسی ایک قوم یا ملک یا زمانہ کے لئے نہیں ہوئی ہے، بلکہ اقوام عالم کے لئے اور رہتی دنیا تک پوری انسانیت کے لئے ہوئی ہے۔ اس لئے آپ کی رحمت عام ہے اور سب کے لئے آپ نبیٔ رحمت ہیں۔ اگر لوگ اس فیضان رحمت سے محروم رہنا چاہتے ہیں تو وہ اپنے انجام کے خود ذمہ دار ہوں گے۔ ہوا، پانی اور روشنی کسی قوم کے لئے خاص نہیں، بلکہ بلاتفریق سب کے لئے عام ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے رب کی ان نعمتوں سے تعصب برتنے لگے اور اپنی ناک بند کرلے تو اس کا گھٹ کر مرجانا لازمی ہے۔ اسی طرح جو شخص پانی سے دور بھاگے گا وہ پیاسا مرجائے گا۔ اور روشنی سے آنکھیں بند کرنے والا اندھیرے میں بھٹکتا ہی رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ نبیٔ رحمت کی بعثت کے باوجود دنیا کی اکثریت اس رحمت کے فیض سے محروم ہے۔

۱۵۲؎ یعنی میری طرف جو وحی نازل ہورہی ہے، وہ توحید اور صرف توحید کی تعلیم دیتی ہے۔ ایسی توحید جس سے ہر قسم کے شرک کی نفی ہوتی ہے۔

۱۵۳؎ یہ پیغمبر کو ہدایت کی جارہی ہے کہ اگر تمہاری قوم توحید کی دعوت قبول کرنے سے انکار کرتی ہے، تو اس پر یہ واضح کردو کہ انکار کی صورت میں اللہ کے عذاب کا وعدہ لازماً پورا ہوگا۔ البتہ مجھے یہ نہیں معلوم کہ وہ جلد پورا ہوگا یا کچھ عرصہ بعد۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم نہیں تھا، کہ کفار پر عذاب کب آئے گا۔ اس قسم کی صریح آیتوں کی موجودگی میں علم غیب کی ان بحثوں میں کیا تک ہے جن میں مسلمانوں کا ایک گروپ الجھ رہا ہے!

۱۵۴؎ یعنی تمہارے ظاہر و باطن کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور وہ اپنے علم کی بنیاد پر فیصلہ فرمائے گا۔

۱۵۵؎ یہ بات پیغمبر کی زبان سے سنائی جارہی ہے، کہ مجھے نہیں معلوم۔ اللہ تعالیٰ کس مصلحت کی بنا پر عذاب کو مؤخر کر رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ تمہارے لئے آزمائش ہو اور تمہاری ہلاکت سے پہلے تم کو کچھ دن اور دنیا میں مزے اڑانے کا موقع دے رہا ہو۔

۱۵۶؎ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب یہ سورہ نازل ہوئی ہے، دعوت اپنے آخری مرحلہ میں پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ پیغمبر کی زبان سے یہ کلمات قوم پر حجت قائم ہوجانے کے بعد ہی نکلے ہیں، کہ حق ان پر پوری طرح واضح ہوگیا ہے مگر یہ انکار پر جمے ہوئے ہیں۔ اب خدایا! تو ہی فیصلہ فرمادے کہ حق غالب ہو۔

۱۵۷؎ یعنی جو حق تمہارے سامنے پیش کیا جارہا ہے اس کے خلاف تم طرح طرح کی باتیں کر رہے ہو، تو جو باتیں تم بناتے ہو اس کے سلسلے میں ہم خدائے رحمٰن ہی سے فریاد کر رہے ہیں۔ وہ ہماری مدد کرے اور راہ حق میں ہمارے قدم جمادے۔

❑❑❑❑❑❑

وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين

۲۲۔ الحج

نام آیت ۲۷ میں حج کے اعلان عام کا ذکر ہوا ہے۔ اس مناسبت سے اس سورہ کا نام الحج ہے۔

زمانہ نزول مدنی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۹ھ میں حج کے قریبی ایام میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون خانۂ کعبہ کی تعمیر اور حج کی مشروعیت جس مقصد کے لئے ہوئی تھی، اس کی تجدید کرنا اور اس مرکزِ توحید کو مشرکوں کے تسلط سے آزاد کر کے امتِ مسلمہ کے حوالہ کرنا ہے۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۴ تمہیدی آیات ہیں جن میں عام انسانوں کو مخاطب کر کے قیامت کے شدید جھٹکے سے خبردار کیا گیا ہے۔ اور اس بات سے آگاہ کیا گیا ہے کہ شیطان کے اشارے پر کتنے ہی لوگ خدا کے بارے میں بے بنیاد باتوں اور گمراہ کن بحثوں میں الجھتے رہتے ہیں، جس کے نتیجہ میں وہ قیامت کے دن بھڑکتی آگ میں جا گریں گے۔

آیت ۵ تا ۱۰ میں دوسری زندگی پر استدلال اور خدا کے بارے میں لوگ گمراہی کی جو باتیں کرتے ہیں اس کا انجام۔

آیت ۱۱ تا ۲۴ میں خدا کی غیر مخلصانہ عبادت کو بے معنیٰ قرار دیتے ہوئے شرک کی تردید کی گئی ہے۔ نیز انکار کرنے والوں کے دردناک انجام کو اور مخلص مؤمنین کے مسرت بخش انجام کو نہایت مؤثر طریقہ پر پیش کیا گیا ہے۔

آیت ۲۵ تا ۳۷ میں اس بات کے پیش نظر کہ مشرکین نے اہل ایمان کے لئے مسجد حرام اور حج بیت اللہ کی راہ بند کر دی ہے، اس تاریخی حقیقت کو نمایاں کیا گیا ہے کہ معمار حرم نے خدائے واحد کی عبادت کے لئے اس کی تعمیر کی تھی، اور اسی مقصد کے لئے حج کی عام منادی کی تھی۔ ساتھ ہی حج کے مناسک اور اس کی روح کو اجاگر کیا گیا ہے۔

آیت ۳۸ تا ۴۱ میں مدینہ کے مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ وہ مسجد حرام کو مشرکین کے تسلط سے آزاد کرنے کے لئے ان سے جنگ (جہاد) کریں، اور یہ کہ اللہ ان کی مدد کرے گا اور ان کو اقتدار بخشے گا۔

آیت ۴۲ تا ۴۸ میں عذاب کے لئے جلدی مچانے والوں کی توجہ ظالم قوموں کی ہلاکت کے واقعات کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔

آیت ۴۹ تا ۵۷ میں واضح کیا گیا ہے کہ رسول کا کام خبردار کرنا ہے۔ مگر اس کی دعوتی جدوجہد کے خلاف شیطان اسی طرح سرگرم عمل ہو گیا ہے، جس طرح وہ ہر رسول کی دعوت کے خلاف پروپیگنڈے کی مہم چلاتا رہا ہے۔ البتہ اس کے اس پروپیگنڈے سے وہی لوگ متاثر ہوتے ہیں جن کے دلوں میں روگ ہوتا ہے۔ اللہ کے وفادار بندوں کے تو علم و یقین میں اس جھوٹے پروپیگنڈے کو دیکھ کر اضافہ ہو جاتا ہے۔

آیت ۵۸ تا ۶۲ میں ان لوگوں کو خوشخبری سنائی گئی ہے جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی تھی۔

آیت ۶۳ تا ۶۶ میں اللہ کی ربوبیت اور اس کے احسانات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

آیت ۶۷ تا ۷۶ میں معترضین کے شبہات کو دور کرتے ہوئے شرک کا بے حقیقت ہونا واضح کیا گیا ہے۔ اور اللہ کی عظمت کا احساس دلاتے ہوئے سلسلۂ رسالت کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

آیت ۷۷ اور ۷۸ اختتامی آیات ہیں جن میں اہل ایمان کو، ان ذمہ داریوں کے ادا کرنے کی بھی تاکید کی گئی ہے، جو ان کی ذات اور ان کے کردار سے متعلق ہیں، اور ان ذمہ داریوں کے ادا کرنے کی بھی، جو اللہ کی راہ میں جدوجہد اور لوگوں کے سامنے اس کے دین کی شہادت پیش کرنے سے متعلق ہیں۔

سُوْرَةُ الْحَجِّ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ①

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ
وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى
وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ②

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ
وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۙ ③
كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ
وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ④

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ
فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ
ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ
وَنُقِرُّ فِى الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى
ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ
يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا
يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ
هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ
وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ⑤

(۲۲) سورۃ الحج

آیات ۷۸

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ لوگو! اے اپنے رب سے ڈرو ۲۔ قیامت کا زلزلہ بڑی ہولناک چیز ہے۔ ۳

۲ جس دن تم اسے دیکھو گے اس دن ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچہ کو بھول جائے گی اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور لوگوں کو تم دیکھو گے کہ وہ مدہوش ہیں حالانکہ وہ مدہوش نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی بڑا سخت ہوگا۔ ۴

۳ اور ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کے بارے میں علم کے بغیر بحث کرتے ہیں ۵۔ اور ہر سرکش شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔

۴ جس کیلئے یہ بات مقدر ہے کہ جو کوئی اُسے دوست بنائے گا اسے وہ گمراہ کر کے رہے گا اور دہکتی جہنم کے عذاب کی طرف لے جائے گا۔ ۶

۵ لوگو! اگر تمہیں (مرنے کے بعد) اٹھائے جانے کے بارے میں شک ہے تو (غور کرو) ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ۷۔ پھر نطفہ سے، ۸۔ پھر جمے ہوئے خون سے ۹، پھر گوشت کے ٹکڑے سے ۱۰، جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بغیر شکل کے بھی ۱۱۔ (یہ اس لئے ہوتا ہے) تاکہ تم پر (اپنی قدرت کی کرشمہ سازیاں) واضح کریں۔ ۱۲ اور ہم جس کو چاہتے ہیں رحم میں ایک مقررہ مدت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو بچہ کی شکل میں باہر لاتے ہیں ۱۳۔ پھر (تمہاری پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی (کی عمر) کو پہنچ جاؤ۔ اور تم میں سے کسی کا وقت تو پہلے ہی پورا ہو جاتا ہے اور کوئی عمر کے بدترین حصہ کو پہنچا دیا جاتا ہے تاکہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے ۱۴۔ اور تم دیکھتے ہو کہ زمین خشک پڑی ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ اُبھرنے اور پھولنے لگتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اُگاتی ہے۔ ۱۵

۱۔ خطاب عام انسانوں سے ہے۔اور خطاب کی یہ عمومیت دلیل ہے کہ یہ سورہ مدنی ہے نیز یہ کہ قیامت تک کے لوگ اس کے مخاطب ہیں۔

۲۔ اس سورہ کا پہلا سبق یہی ہے کہ انسان اپنے خالق و مالک سے ڈرے۔خدائے واحد کا وجود کھلی حقیقت ہے۔اس کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اس کے سامنے سرکشی کی جرأت نہ کرے،عبادت کا تعلق اپنے خالق سے جوڑنے کے بجائے مخلوق سے نہ جوڑے اور اس کی نافرمانی کرنے سے ڈرے کہ اس کی سزا اس کے ہاں بڑی سخت ہے۔قیامت کے دن اُسے ہر عمل کی جوابدہی اس کے حضور کرنا ہوگی۔

۳۔ یعنی قیامت کا زلزلہ ایسا زبردست ہوگا کہ پوری زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔اور انسان کو کہیں عافیت نہیں مل سکے گی۔

۴۔ یہ ہے اس زلزلہ کی ہولناکی،کی تصویر کہ زمین ایسی تھرتھرانے لگے گی کہ روئے زمین پر اس وقت جو لوگ بھی موجود ہوں گے وہ ہکا بکا رہ جائیں گے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ ہر شخص کی جان کے لالے پڑے ہوں گے،یہاں تک کہ جن ماؤں کی گود میں دودھ پیتے بچے ہوں گے وہ اپنے بچوں کو بھول جائیں گی،جو عورتیں حاملہ ہوں گی ان کے حمل گر جائیں گے اور دہشت کی وجہ سے لوگوں کا یہ حال ہوگا کہ گویا وہ نشے میں مدہوش ہیں،یعنی ان کے ہوش وحواس برقرار نہیں رہیں گے۔یہ گویا روئے زمین پر اللہ کا آخری عذاب ہوگا جو قیامت کی شکل میں نمودار ہوگا۔یہ اس موقع کی بات ہے جب کہ پہلا صور پھونکا جائے گا۔اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس وقت روئے زمین پر بُرے لوگ ہی بس رہے ہوں گے۔حدیث میں بھی آتا ہے کہ قیامت اشرار ہی پر قائم ہوگی:

لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰی شِرَارِ النَّاسِ۔ ''قیامت بدترین لوگوں ہی پر قائم ہوگی''۔(مسلم کتاب الفتن)

۵۔ یعنی محض قیاس وگمان اور مفروضات ونظریات کی بنیاد پر خدا کے بارے میں رائے قائم کرنے اور بحثیں کھڑی کرنے لگتے ہیں،جب کہ یہ ایک ایسا نازک موضوع ہے کہ اس پر علم کے بغیر زبان کھولنا غیر ذمہ دارانہ پن کا ثبوت دینا ہے۔اور علم کے معنی کسی چیز کو فی الواقع وہ جیسی ہے جان لینا ہے۔خدا کے بارے میں صحیح معرفت کا ابتدائی ذریعہ تو انسانی فطرت ہے پھر وہ نشانیاں ہیں جو آفاق میں پھیلی ہوئی ہیں۔اس کے بعد بہت واضح اور مکمل شکل میں وہ علم ہے جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتا رہا ہے۔

۶۔ معلوم ہوا کہ اوپر کی آیت میں ''ہر سرکش شیطان'' سے مراد ابلیس اور اس کی فوج ہے۔

شیاطین اگرچہ انسانوں میں پائے جاتے ہیں مگر ان کا گُرو ابلیس ہی ہے،اس لئے جو گمراہی کا امام ہے اس کے شر سے متنبہ کر دیا گیا۔

۷۔ انسان کے مرنے کے بعد اٹھائے جانے کی جو خبر قرآن دے رہا ہے۔اس میں لوگ اس لئے شک کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد جسم فنا ہو جاتا ہے۔اسے دوبارہ جسم سمیت اٹھا کھڑا کرنا ایک ایسے پیش آنے والے واقعہ کی خبر ہے جو کبھی مشاہدہ میں نہیں آیا۔اسی شک کو رفع کرنے کے لئے یہاں چند ایسی باتوں پر غور وفکر کی دعوت دی جارہی ہے جو امر واقعہ ہیں۔چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔آدمؑ کی تخلیق مٹی ہی سے ہوئی تھی۔قرآن کے اس بیان کی تائید عام مشاہدہ سے بھی ہوتی ہے کہ مٹی سے غذا بنتی ہے،اور غذا سے پرورش پا کر انسان زندہ رہتا ہے۔نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے تو انسان بھی مر کر مٹی ہی میں مل جاتا ہے۔لہٰذا جس ہستی کے لئے مٹی جیسے بے جان مادہ میں جان ڈالنا پہلی بار ممکن ہوا،اس کے لئے مٹی میں ملے ہوئے انسان کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرنا کیا مشکل ہے؟ اب اگر ہمیں یقینی ذریعہ سے یہ خبر مل رہی ہے کہ انسان کے خالق نے اس کو مرنے کے بعد قیامت کے دن اٹھ کھڑا کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو ہم اسے کیوں صحیح تسلیم نہ کر لیں؟

۸۔ انسان کو مٹی سے پیدا کرنے کے بعد اس کی نسل کا سلسلہ جس طریقہ سے چلایا اس کو ایک اہم دلیل کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔یہ بات کہ انسان کی پیدائش مادۂ منویہ کے اس قلیل جز سے ہوتی ہے جسے نطفہ (پانی کی بوند) کہتے ہیں،ایک معلوم حقیقت ہے اور قرآن کا استدلال اس عام اور معلوم حقیقت ہی سے ہے۔البتہ موجودہ دور میں علم الجنین (Embroyology) نے جن حقائق کا انکشاف کیا ہے،وہ قدرت الٰہی کی کرشمہ سازیوں کو نمایاں کر کے اس کو دعوت فکر دینے والی ہیں۔چنانچہ ایک وقت میں جو مادۂ منویہ خارج ہوتا ہے اس میں دو سو ملین جراثیم حیات (Spermatozoa) ہوتے ہیں جب کہ ایک

جرثومۂ حیات بیضۂ انثیٰ کو بارآور (Fertilize) کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ بیضۂ انثیٰ عورت کے بیضہ دان (Ovary) سے ہر ماہ صرف ایک عدد خارج ہوتا ہے اور رحم سے متصل نلی (Fellopian Tube) میں آہستہ آہستہ سفر کرتا ہے۔ اگر جرثومۂ حیات کا ملاپ اس بیضہ سے ہوتا ہے تو بیضہ بارآور (Fertilize) ہوجاتا ہے۔ یہ گویا حمل کا آغاز ہے۔

۹۔ بیضہ بارآور ہونے کے بعد چند دنوں میں جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔

۱۰۔ خون کا تھکا کچھ دنوں میں گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے۔ یہ عمل قرار حمل کے چوتھے ہفتہ میں ہوتا ہے۔

۱۱۔ یعنی گوشت کا یہ ٹکڑا جو بغیر شکل وصورت کے تھا ایک نئے مرحلے میں داخل ہوتا ہے، جہاں وہ ایک خاص شکل (Shape) اختیار کرنے لگتا ہے، اور کبھی اس سے پہلے ہی اسقاط ہوجاتا ہے۔

ڈاکٹر محمد علی البار نے علم الجنین (Embroyology) کی تحقیقات کے پیش نظر قرآن وحدیث کے پیش کردہ حقائق کو اپنی کتاب ''خلق الانسان بین الطب والقرآن'' میں جو عربی میں ہے، وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہوئے قرآن کے علمی اعجاز کو نمایاں کیا ہے۔ اسقاط کے مسئلہ پر موصوف لکھتے ہیں:

''اب ہم یہ جاننے لگے ہیں کہ اسقاط اکثر شکل بننے سے پہلے ہوتا ہے۔ یہ مرحلہ علم الجنین کی اصطلاح میں تکوین الاعضاء (Organo Genesis) کہلاتا ہے۔ اس کا آغاز حمل کے چوتھے ہفتہ سے ہوتا ہے اور آٹھویں ہفتہ تک رہتا ہے۔ (خلق الانسان ص ۴۰۷)

۱۲۔ گویا رحم مادر (Womb) ایک قدرتی کارخانہ (Natural Factory) ہے جس میں انسان ڈھلتا ہے، اور اس طرح ڈھلتا ہے کہ ڈھالنے والے کا ہاتھ دکھائی نہیں دیتا۔ مگر ایک قطرہ یا جرثومہ جن ارتقائی مرحلوں سے گزر کر انسان کا روپ اختیار کرنے کے مرحلہ میں پہنچتا ہے، وہ نہایت ہی عجیب وغریب عمل (Process) ہے، جو دعوت فکر دیتا ہے اور سوچنے والوں میں یقین پیدا کرتا ہے کہ اس کے پیچھے ایک علیم وقدیر ہستی کا ہاتھ ہے، اور انسان کی تخلیق اس کی قدرت کی کرشمہ سازیوں کا بین ثبوت ہے۔

۱۳۔ یعنی جنین (Embroy) حمل کے دن پورے ہوجانے کے بعد اس دنیا میں جنم لیتا ہے، یہ اس کی طفولیت (بچپن) کا آغاز ہے۔ اس میں اس بات کی طرف واضح اشارہ موجود ہے کہ جنین کی دنیا رحم کی تنگ اور تاریک جگہ تک محدود تھی، جس کے بعد اس نے ایک وسیع دنیا میں جنم لیا۔ اب اگر اس کا خالق اس کو یہ خبر دے رہا ہے کہ اس دنیا سے گزر کر اسے اس سے وسیع دنیا (آخرت) میں داخل ہونا ہے، تو اس میں شک کی کیا وجہ ہے؟ کیا انسان اپنے کو اس دنیا ہی کے خول میں بند رکھنا چاہتا ہے؟

۱۴۔ یعنی دنیا میں آنے کے بعد بھی انسان عمر کے مختلف مرحلوں سے گذرتا ہے۔ بچپن سے جوانی کی طرف اور جوانی سے بڑھاپے کی طرف۔ یعنی کمال (جوانی) سے زوال کی طرف، اور علم سے لاعلمی (نسیان) کی طرف۔ پھر اگر موت کے بعد کے مراحل کی خبر دی جارہی ہے تو یہ اس کے لئے کیوں نا قابل قبول ہے؟

۱۵۔ یہ شک کو رفع کرنے کے لئے دوسری دلیل ہے۔ اس دنیا میں ہر وقت تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ زمین ابھی خشک تھی مگر جوں ہی پانی برسا سرسبز و شاداب ہوگئی اور اپنے خزانے اگلنے لگی۔ گویا مردہ زمین میں حیات تازہ پیدا ہوگئی۔ کیا یہ مشاہدہ انسان کے اندر ایک قادر مطلق ہستی کا یقین پیدا نہیں کرتا؟ اور اگر وحی الٰہی قیامت کے دن انسان کو اٹھائے جانے کی خبر دے رہی ہے، تو اس پر ایمان لانے میں کیا چیز مانع ہے؟ نیز زمین تغیرات کا منظر پیش کرتی رہتی ہے تو اس میں ایک زبردست تغیر کیوں ممکن نہیں؟ اور اگر زمین اپنے خزانے اُگلتی رہتی ہے تو قیامت کے دن اس کا مُردوں کا اُگلنا کیوں بعید ہے؟

یہ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے۔ اور وہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یہ کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں اور اللہ ان کو اٹھا کھڑا کرے گا جو قبروں میں ہیں۔ اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو کسی علم، کسی ہدایت اور کسی روشن کتاب کے بغیر اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ اکڑتے ہوئے تا کہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے گمراہ کریں۔ ایسے شخص کے لئے دنیا میں رسوائی ہے۔ اور قیامت کے دن ہم اس کو جلنے کے عذاب کا مزا چکھائیں گے۔ (القرآن)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ﴿۶﴾

۶ یہ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے ۱۶؎۔ اور وہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے ۱۷؎۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۱۸؎

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۷﴾

۷ اور یہ کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں اور اللہ ان کو اٹھا کھڑا کرے گا جو قبروں میں ہیں۔ ۱۹؎

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۙ﴿۸﴾

۸ اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو کسی علم، کسی ہدایت اور کسی روشن کتاب کے بغیر اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ ۲۰؎

ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۹﴾

۹ اکڑتے ہوئے تاکہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے گمراہ کریں ۲۱؎۔ ایسے شخص کے لئے دنیا میں رسوائی ہے ۲۲؎۔ اور قیامت کے دن ہم اس کو جلنے کے عذاب کا مزا چکھائیں گے۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۰﴾

۱۰ یہ ہے وہ جو تیرے ہاتھوں نے پہلے سے تیار کیا تھا ۲۳؎۔ اور اللہ اپنے بندوں پر ہرگز ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰي وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾

۱۱ اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کی عبادت ایک کنارہ پر رہ کر کرتے ہیں۔ اگر فائدہ پہنچا تو اس سے مطمئن ہو گئے۔ اور اگر آزمائش پیش آ گئی تو الٹے پھر گئے۔ دنیا بھی کھو دی اور آخرت بھی۔ یہی ہے کھلا خسارہ۔ ۲۴؎

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾

۱۲ یہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پکارتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ فائدہ۔ یہ ہے پرلے درجہ کی گمراہی۔ ۲۵؎

يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾

۱۳ وہ ان کو پکارتے ہیں جن کا نقصان ان کے فائدہ سے زیادہ قریب ہے ۲۶؎۔ بہت برا ہے کارساز اور بہت برا ہے ساتھی۔ ۲۷؎

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾

۱۴ بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ۲۸؎، ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے تلے نہریں رواں ہوں گی۔ بلاشبہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَاۗءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾

۱۵ جو شخص یہ خیال کرتا ہو کہ اللہ دنیا و آخرت میں اس کی مدد نہیں کرے گا اسے چاہئے کہ آسمان تک ایک رسی تان لے پھر اسے کاٹ ڈالے اور دیکھ لے کہ آیا اس کی اس تدبیر نے اس کے غم و غصہ کو دور کر دیا ؟ ۲۹؎

۱۶ ۔ یعنی مٹی سے انسان جیسی اعلیٰ مخلوق کی پیدائش اس کے بعد پانی کی ایک بوند سے اس کا سلسلۂ تناسل، پھر طفولیت سے شباب کو پہنچنا اور اس کمال کے بعد ضعف کا طاری ہو جانا، اسی طرح خشک زمین کا سرسبز و شاداب ہو کر پُر رونق بن جانا ایک خالق کی خلاقی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ دنیا اتفاقی حادثہ ہوتی تو انسان کی تخلیق میں یہ تدریج، حالات کا یہ تغیر اور ایک نقشہ اور پلاننگ کے ساتھ انسان کا وجود اس زمین پر ممکن نہ ہوتا۔ لہٰذا اللہ کا وجود ایک نا قابل انکار حقیقت ہے اور اس کے باوجود اس کی وحدانیت سے انکار محض کٹ حجتی ہے۔

۱۷ ۔ اوپر کی مثالوں سے یہ بات بھی واضح ہے کہ اللہ بے جان مادوں میں جان ڈالتا رہتا ہے۔

۱۸ ۔ رات دن مشاہدہ میں آنے والے یہ واقعات جن کا ذکر اوپر ہوا، اس حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں کہ اللہ کی ہستی ایک عظیم قدرت والی ہستی ہے، اور اس کے لئے کوئی چیز بھی ناممکن نہیں۔

۱۹ ۔ یعنی اللہ کے اس تخلیقی عمل سے جس کا ذکر اوپر کی آیت میں ہوا، اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ قیامت کا وقوع اور مردوں کا اٹھایا جانا برحق ہے۔ ''قبر میں جو ہیں'' سے مراد مردے ہیں خواہ ان کی قبر بنی ہو یا نہ بنی ہو۔ دراصل انسانی زندگی کا عقیدہ، قیامت اور دوسری زندگی کو ایک حقیقت مان لینے کی صورت ہی میں حل ہوتا ہے، ورنہ کسی مفکر اور کسی فلسفی کے بس کی بات نہیں کہ وہ اس عقدہ کو حل کر سکے۔ چنانچہ اس کے بغیر زندگی کا نہ کوئی سنجیدہ مقصد متعین کیا جا سکا ہے اور نہ اس پلاننگ کا کوئی نقشہ پیش کیا جا سکا ہے، جو انسان کی پیدائش کے پیچھے کارفرما ہے۔ مثال کے طور پر آواگون (تناسخ) کا نظریہ ان بنیادی سوالات کا جواب دینے سے بالکل قاصر ہے، اور اس سے زندگی کی کوئی گرہ کھلنے سے تو رہی البتہ مزید گرہیں پڑ جاتی ہیں اور ذہن الجھ کر رہ جاتا ہے۔

۲۰ ۔ علم کی تشریح نوٹ ۵ ۔ میں گزر چکی۔ ہدایت سے یہاں مراد وہ دلیل ہے جسے عقل سلیم پیش کرے، اور روشن کتاب سے مراد آسمانی کتاب ہے۔ علم میں یہ دونوں چیزیں شامل ہیں مگر ان کی اہمیت کے پیشِ نظر ان کا ذکر یہاں خصوصیت سے کیا گیا۔

۲۱ ۔ یہ ان لیڈروں کا حال بیان ہوا ہے جو خدا کے بارے میں لوگوں کو گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ ان کا رویہ بڑا متکبرانہ ہوتا ہے۔

۲۲ ۔ جو لوگ خدا کے بارے میں تکبر کا رویہ اختیار کرتے ہیں ان کو اس دنیا ہی میں ذلت کا مزا چکھنا پڑتا ہے۔ مراد وہ رُسوائی ہے جو اخلاق کی سطح پر ہوتی ہے، جس کو وہی لوگ محسوس کرتے ہیں، جن کی اخلاقی حس تیز ہوتی ہے۔ اگرچہ ذلیل ہونے والا شخص دنیا کی نظروں میں کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو؟

۲۳ ۔ انسان کا ہر عمل مستقبل میں ایک نتیجہ پیدا کرنے والا ہے اور انسان کے یہ کرتوت ہی ہوں گے جس کی بنا پر وہ جہنم کا مستحق قرار پائے گا۔

۲۴ ۔ یہ تصویر ہے ان لوگوں کی جو اللہ کو نہ صرف ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ اس کی عبادت بھی کرتے رہتے ہیں لیکن یکسو ہو کر نہیں بلکہ ذہنی تحفظات (Reservation) کے ساتھ۔ اگر خوشحالی میسر آئی تو خدا کے گن بھی گائیں گے۔ اور اس کی پرستش بھی کریں گے لیکن اگر تکلیف اور مصیبت میں مبتلا ہو گئے تو اس سے بے تعلق ہو کر اس کے خلاف شکایت کرنے لگیں گے۔ ایسے لوگ دنیا میں بھی ان سعادتوں سے محروم ہو جاتے ہیں، جو سچی خدا پرستی کے نتیجہ میں انسان کو حاصل ہو جاتی ہیں اور آخرت میں بھی وہ بالکل نامراد ہونگے۔

واضح ہوا کہ خدا پرستی وہی معتبر ہے جس کی تہ میں وفاداری کا جذبہ ہو اور جس پر انسان نرم گرم ہر طرح کے حالات میں قائم رہے۔

۲۵ ۔ یعنی خدا پرستی کی جگہ بت پرستی سراسر خلافِ حق اور یکسر باطل ہے۔ اب اگر کوئی شخص حقیقت (Reality) کے خلاف کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس پر راہ راست کا گم ہو جانا بالکل یقینی ہے۔

۲۶ ۔ بتوں کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ اینٹ پتھر ہیں، جو نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ لیکن ان کو پوجنے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنا خدائی وجود بھی رکھتے ہیں۔ ان کے اسی خیال کی نامعقولیت یہاں واضح کی جا رہی ہے کہ ان سے کسی فائدہ کی توقع تو دور کی بات، البتہ ان کی پرستش سے جو فوری اور لازمی نقصان پہنچتا ہے وہ یہ ہے کہ بندہ کا رشتہ اللہ سے ٹوٹ جاتا ہے۔ کیوں کہ کسی اور کو حاجت روا ماننے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ایسا شخص اللہ کو واحد حاجت روا

(اِلٰہ) نہیں مانتا۔ بالفاظ دیگر بتوں سے وفاداری اللہ سے بے وفائی کی قیمت پر ہوتی ہے اور یہ کھلا اور زبردست نقصان ہے۔

۲۷۔ یعنی بتوں سے عقیدت پیدا کر کے انہوں نے اپنے لئے بہت برے کارساز اور ساتھی پیدا کر لئے ہیں جو ان کے لئے تباہی کا باعث ہیں۔

۲۸۔ محل کلام دلیل ہے کہ یہاں ایمان لانے اور نیک عمل کرنے کے مفہوم میں یہ بات شامل ہے، کہ ایسے لوگ اللہ ہی کو حاجت روا مان کر اس کی عبادت اخلاص کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور اچھے بُرے ہر حال میں اس سے جڑے رہتے ہیں۔

۲۹۔ یہ اس شخص کے لئے تہدید (تنبیہ) ہے جو ناخوشگوار حالات میں اللہ کی مدد سے مایوس ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جب اللہ دنیا میں میری مدد نہیں کر رہا ہے تو آخرت میں بھی نہیں کرے گا۔ اس طرح خدا سے مایوسی اس میں باغیانہ ذہنیت پیدا کر دیتی ہے۔ موجودہ زمانہ میں تو ایسے لوگ بہ کثرت دیکھے جا سکتے ہیں جو حوادثِ زمانہ کا شکار ہونے کی بنا پر، خدا کو رحیم ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیتے ہیں۔ یہ خدا کے رحم اور اس کی مدد سے مایوسی ہی ہے جس نے خدا کے بارے میں ان کے اندر جھنجھلاہٹ پیدا کر دی ہے۔ ایسے لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ اگر وہ خدائی منصوبہ کے خلاف کوئی تدبیر کر سکتے ہیں تو کر دیکھیں۔ اگر وہ رسی تان کر آسمان پر چڑھ سکتے ہیں تو چڑھیں اس کے بعد اس رسی کو بھی کاٹ دیں تا کہ دنیا سے ان کا تعلق بالکل منقطع ہو جائے۔ ایسا کر کے وہ دیکھ لیں کہ ان کا غم وغصہ دور ہوتا ہے یا نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی مدد میں تاخیر کو دیکھ کر انسان اگر اس سے مایوس ہو جاتا ہے، اور اس کے خلاف غم وغصہ کا اظہار کرتا ہے تو اس سے کیا فائدہ؟ وہ کوئی ایسی تدبیر تو کر نہیں سکتا کہ خدائی منصوبہ سے آزاد ہو جائے، یا اس آزمائشی دنیا سے نکل کر کسی اور دنیا میں چلا جائے۔ اس کے لئے صحیح راہِ عمل یہی ہے کہ وہ اللہ سے امیدیں وابستہ رکھے، اس کو اپنا حقیقی سہارا سمجھے اور ناسازگار حالات میں بھی اس پر بھروسہ کرے تو وہ اس کی ضرور مدد کرے گا۔

واضح رہے کہ اس آیت میں جس طرح آسمان تک رسی تان دینے کی بات کہی گئی ہے، اسی طرح سورۂ ص میں آسمان پر چڑھ جانے کی بات بھی کہی گئی ہے۔

اَمْ لَهُمْ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ۔ (سورۂ ص:۱۰)

''کیا یہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی موجودات کے اقتدار کے مالک ہیں؟ اگر ایسا ہے تو یہ آسمانوں میں چڑھ جائیں۔''

ظاہر ہے اس آیت میں جو فرمایا گیا کہ آسمانوں میں چڑھ جائیں، تو اس سے مقصود کافروں کی بے بسی کو ظاہر کرنا ہے، اسی طرح آیت زیر تفسیر میں یہ جو فرمایا گیا کہ ایسا شخص آسمان تک رسی تان لے تو اس سے مقصود اس کی بے بسی کو ظاہر کرنا ہے۔

جولوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور صابئ اور نصاریٰ اور مجوسی اور وہ جو مشرک ہوئے ، ان سب کے درمیان اللہ قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔ اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں نیز سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، جانور اور بہ کثرت انسان۔ اور بہت سے انسان ایسے ہیں جن پر عذاب لازم ہو چکا ہے۔ اور جسے اللہ ذلیل کر دے اسے عزت دینے والا کوئی نہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (القرآن)

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾

۱۶ اس طرح ہم نے اس (قرآن) کو روشن دلیلوں کی شکل میں اتارا ہے۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ ۳۰؎

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾

۱۷ جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور صابئ اور نصاریٰ اور مجوسی اور وہ جو مشرک ہوئے، ان سب کے درمیان اللہ قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا ۳۱؎۔ اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَاۗبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ﴿۱۸﴾ السجدة

۱۸ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں نیز سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، جانور اور بہ کثرت انسان۔ اور بہت سے انسان ایسے ہیں جن پر عذاب لازم ہو چکا ہے ۳۲؎۔ اور جسے اللہ ذلیل کر دے اسے عزت دینے والا کوئی نہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾

۱۹ یہ دو فریق ہیں ۳۳؎، جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا۔ تو جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے آگ کے لباس کاٹ دئے گئے ہیں۔ ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈال دیا جائے گا۔

يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾

۲۰ جس سے ان کے پیٹ کے اندر کی چیزیں اور ان کی کھالیں گل جائیں گی۔

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾

۲۱ نیز ان (کو سزا دینے) کے لئے لوہے کے گُرز ہونگے۔

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۣ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾

۲۲ جب کبھی وہ اس گھٹن سے نکلنا چاہیں گے اسی میں لوٹا دئے جائیں گے۔ اور (کہا جائے گا کہ) چکھو اب جلنے کے عذاب کا مزا! ۳۴؎

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾

۲۳ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اللہ انہیں ایسے باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔ ان کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی کے زیور پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔ ۳۵؎

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾

۲۴ انہیں پاکیزہ بات کی ہدایت کی گئی ۳۶؎۔ اور انہیں اس ہستی کی راہ دکھائی گئی جس کے لئے حمد ہی حمد ہے۔ ۳۷؎

۳۰ ۔ یہاں قرآن کی رہنمائی بالکل واضح اور مدلل ہے۔لیکن اس سے روشنی اسی کو ملتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ بینائی عطاء کرے۔

۳۱ ۔ یہاں ان چھ مذہبی گروہوں کا ذکر ہوا ہے، جو اس وقت عرب اور اس کے اطراف میں موجود تھے۔یعنی مسلمان، یہودی، صابئ، نصاریٰ، مجوس اور مشرک۔

صابئ کی تشریح سورۂ بقرہ نوٹ ۸۶ ۔ میں گزر چکی۔

مجوس سے مراد آتش پرست لوگ ہیں جو اپنے کو زردتشت کا پیرو قرار دیتے ہیں۔اس وقت ایران کا یہی مذہب تھا۔مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انعام نوٹ ۳ ۔

مشرک سے مراد متعدد خداؤں کو ماننے والے، غیر اللہ کی پرستش کرنے والے اور بت پرست ہیں۔عرب سے باہر کے دوسرے مشرکانہ مذاہب خواہ وہ کسی نام سے پکارے جاتے ہوں اسی کے تحت آتے ہیں۔

ان میں سے ہر گروہ اس بات کا مدعی ہے کہ خدا اور مذہب کے معاملہ میں صحیح راہ وہی ہے، جس کو وہ اختیار کئے ہوئے ہے۔اہل مذاہب کے ان دعووں اور الجھی ہوئی باتوں کو باطل قرار دیتے ہوئے واضح کیا کہ سچائی کی راہ اہل ایمان کی راہ ہے۔یعنی ان لوگوں کی جو قرآن کی دعوت کو قبول کرتے ہیں۔بالفاظ دیگر مخلص مسلمان جن کا دین اسلام ہے۔اس کے باوجود اگر لوگ اپنے اپنے مذہب ہی سے چمٹے رہنا چاہتے ہیں تو قیامت کے دن وہ اس کا نتیجہ دیکھ لیں گے، جب کہ اللہ تعالیٰ اس نزاع کا فیصلہ فرمائے گا۔

۳۲ ۔ تشریح کے ملاحظہ ہو سورۂ رعد نوٹ ۳۸ ۔ اور سورۂ نحل نوٹ ۷۱ ۔ اس آیت میں اس بات پر غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے کہ اس کائنات کی تمام مخلوقات خواہ وہ جاندار ہوں، نباتات ہوں یا جمادات، اپنے خالق کے آگے جھکی ہوئی ہیں اور اپنے اپنے طریقے پر اسی کو سجدہ کر رہی ہیں۔مختلف علامتوں سے ان کی سجدہ ریزی کا اظہار ہوتا ہے۔اور جہاں تک انسان کا تعلق ہے بکثرت لوگ اللہ کے آگے جھکتے ہیں۔لیکن بکثرت لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی مرضی سے اس کے حضور جھکنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ایسے لوگوں پر عذاب کا کوڑا لازماً برسنے والا ہے۔ان کے اس غلط رویہ کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ یہ کائنات اللہ ہی کے آگے سربسجود ہے۔اور جب یہ حقیقت ہے تو تم اپنا رویہ اس کے مطابق کیوں نہیں بنا لیتے؟ یہ آیت سجدہ ہے اس لئے اس کی آیت پر سجدہ کرنا ضروری ہے۔

۳۳ ۔ یعنی ایک مؤمنوں کا گروہ ہے جو قرآن پر ایمان لاتا ہے اور دوسرا کافروں کا گروہ جو قرآن پر ایمان نہیں لاتا، خواہ وہ کتنی ہی مذہبی فرقہ بندیوں میں بٹا ہوا ہو۔

۳۴ ۔ اس دردناک عذاب کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔مگر جن کا احساس مُردہ ہو گیا ہو وہ اس کا کیا اثر قبول کر سکتے ہیں!

۳۵ ۔ اوپر کی آیات سے واضح ہے کہ یہاں ایمان لانے کے مفہوم میں دو باتیں بدرجۂ اولیٰ شامل ہیں۔ایک توحید اور دوسرے قیامت کے دن اٹھایا جانا۔جو لوگ اس طرح ایمان لائیں اور ان کی زندگیاں بھی نیکی کی آئینہ دار ہوں، ان کو قیامت کے دن جس اعزاز واکرام سے نوازا جائے گا اس کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے۔یہ تقابل بھی لائق غور ہے کہ کافروں کے لئے جہاں آگ کے کپڑے قطع کئے جائیں گے وہاں اہل ایمان کو ریشم کا لباس پہنایا جائے گا۔دنیا کی زندگی ایک امتحانی اور عبوری دور ہے، اس لئے یہاں نعمتوں کے استعمال کے سلسلہ میں کچھ شرعی پابندیاں بھی ہیں۔لیکن جنت کی زندگی انعام کے طور پر ہوگی اس لئے وہاں نہ صرف یہ کہ نعمتوں کے استعمال میں کوئی روک ٹوک نہیں ہوگی بلکہ شاہانہ زندگی بسر کرنے کا سارا سامان مہیا کر دیا جائے گا۔اور اہل جنت کو زیورات اور لباس سے اس طرح آراستہ کیا جائے گا گویا ہر مؤمن ایک دولہا ہے اور ہر مؤمنہ ایک دلہن۔

۳۶ ۔ مراد کلمۂ توحید ہے۔

۳۷ ۔ یعنی اللہ کی راہ جس کے لئے تمام خوبیاں ہیں اور جو اس کا مستحق ہے کہ اس کے گن گائے جائیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ
وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ
فِيهِ وَالْبَادِ ۚ وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ
عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٥﴾

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا
وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿٢٦﴾

وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا
وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿٢٧﴾
لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ
مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ
فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾
ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ
وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾
ذَٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِندَ رَبِّهِ ۗ
وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ ۖ فَاجْتَنِبُوا
الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ﴿٣٠﴾

حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا
خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي
مَكَانٍ سَحِيقٍ ﴿٣١﴾
ذَٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن
تَقْوَى الْقُلُوبِ ﴿٣٢﴾

۲۵ جن لوگوں نے کفر کیا اور جو اللہ کی راہ سے روک رہے ہیں ۔
۳۸؎ نیز مسجد حرام سے ۳۹؎ جسے ہم نے لوگوں کیلئے اس طرح
بنایا ہے کہ اس کے رہنے والے اور باہر سے آنے والے سب وہاں برابر
ہیں ۴۰؎ ۔ اور جو کوئی وہاں ظلم کے ساتھ انحراف کی راہ اختیار کرنا
چاہے گا ہم اسے دردناک عذاب کا مزا چکھائیں گے ۔ ۴۱؎

۲۶ اور جب ہم نے ابراہیم کے لئے بیت اللہ کی جگہ مقرر کر دی تھی،
۴۲؎ کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ ۔ اور میرے گھر کو پاک
رکھو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے
والوں کے لئے ۔ ۴۳؎

۲۷ اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو ۴۴؎ ۔ وہ تمہارے پاس پیدل
آئیں گے اور لاغر اونٹنیوں پر بھی جو دور دراز راہوں سے آئیں گے ۔ ۴۵؎

۲۸ تا کہ وہ اپنی منفعتوں کو دیکھ لیں ۴۶؎ ۔ اور مقررہ دنوں میں
۴۷؎ مویشی چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں بخشے ہیں
۴۸؎ ۔ پس اس میں سے کھاؤ اور تنگ دست محتاج کو بھی کھلاؤ ۔ ۴۹؎

۲۹ پھر اپنا میل کچیل دور کریں ۵۰؎ ، اپنی نذریں پوری کریں
۵۱؎ اور اس قدیم گھر کا طواف کریں ۔ ۵۲؎

۳۰ یہ (ہیں حج کے مناسک) اور جو اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حرمتوں کی
تعظیم کرے گا تو یہ اس کے رب کے ہاں اس کیلئے بہتر ہے ۵۳؎ ۔
اور تمہارے لئے مویشی حلال ٹھہرائے گئے ہیں بجز ان کے جن کا حکم
تمہیں سنا دیا گیا ہے ۵۴؎ ۔ لہٰذا بتوں کی گندگی سے بچو ۵۵؎ ۔ اور
جھوٹی بات سے اجتناب کرو ۔ ۵۶؎

۳۱ اللہ کے وفادار بن کر رہو کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ ۵۷؎ ۔
اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا وہ گویا آسمان سے گر گیا پھر پرندے اسے
اُچک لیں یا ہوا اُسے لے جا کر کسی دور دراز جگہ پھینک دے ۔ ۵۸؎

۳۲ یہ ہے (اصل حقیقت) اور جو اللہ کے مقرر کئے ہوئے شعائر کی
تعظیم کرے گا تو یہ بات دل کے تقویٰ سے تعلق رکھنے والی ہے ۔ ۵۹؎

۳۸ ۔ یعنی لوگوں کو روکتے ہیں کہ وہ اللہ کا دین (اسلام) قبول نہ کریں۔

۳۹ ۔ اشارہ ہے اس صورتِ حال کی طرف، کہ جو مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے ان پر مشرکین مکہ نے حرم کے دروازے بند کر دیئے تھے وہ نہ حج کر سکتے تھے اور نہ عمرہ۔

۴۰ ۔ یعنی مسجد حرام پر کسی کی اجارہ داری صحیح نہیں کہ جس کو چاہیں زیارت کرنے دیں اور جس کو چاہیں روکیں۔ یہ مرکزِ توحید ہے اور اہل توحید کو خواہ وہ زمین کے کسی خطہ یا گوشہ میں رہتے ہوں، یہ حق ہے کہ وہ یہاں آ کر خدائے واحد کی بندگی کریں۔ اس مسجد کے دروازے کسی پر بھی بند نہیں ہیں اور اس معاملہ میں اہل مکہ اور غیر اہل مکہ کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ لہٰذا اہل توحید میں سے کسی کو حج یا عمرہ کرنے سے روکا نہیں جا سکتا۔

مسجد حرام کی اس حیثیت کے پیش نظر دنیا کی کسی حکومت کو خواہ وہ مسلمانوں کی ہو یا غیر مسلموں کی، یہ حق نہیں پہنچتا کہ حج اور عمرہ کے سلسلہ میں ناروا قانونی پابندیاں عائد کرے۔ اور نہ اس سرزمین پر حکومت کرنے والوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ویزا وغیرہ کی ایسی پابندیاں عائد کرے کہ عازمین کے لئے بلا وجہ کی دشواریاں پیدا ہوں۔ اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ حرم میں قیام وطعام کے سلسلہ میں ایسے طور طریقے اختیار نہ کئے جائیں جن سے بیت اللہ کی زیارت کرنے والوں کی مشکلات میں اضافہ ہو۔ اور ناجائز انتفاع (لوٹ کھسوٹ Exploitation) تو یہاں شدید جرم ہے۔

۴۱ ۔ یعنی جو شخص مکہ میں رہتے ہوئے ظلم وزیادتی کے ساتھ ان مقاصد سے انحراف کرے گا، جن کے لئے یہ مسجد تعمیر کی گئی ہے وہ اللہ کی طرف سے دردناک سزا کا مستحق ہوگا۔

ظلم سے مراد کھلی معصیت کے کام ہیں جن میں شرک بدرجۂ اولی شامل ہے۔ اور الحاد (انحراف) سے مراد مسجد حرام کو غلط مقاصد کے لئے استعمال کرنا بھی ہے اور بے دینی پھیلانا بھی۔ اس آیت کا واضح اشارہ مشرکین مکہ کی طرف ہے جو بیت اللہ کے اصل مقصد (توحید) سے ہٹ گئے تھے اور بت پرستی کو وہاں رائج کیا تھا۔ لیکن بات عمومیت کے ساتھ کہی گئی ہے اس لئے اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو وہاں شرک وبدعت کو رائج کرنے کی کوشش کرے۔ اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ جو نام نہاد مسلمان کسی شر کے ارادہ سے یا تخریبی کارروائی کی غرض سے مکہ آنا چاہتے ہوں ان کے داخلہ پر پابندی عائد کی جا سکتی ہے۔

۴۲ ۔ یعنی خانۂ خدا کی تعمیر کے لئے سرزمین مکہ کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا تھا۔ اور اس کے لئے جگہ کا ٹھیک ٹھیک تعین بھی اسی نے کیا تھا۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے جو کچھ کیا وہ اللہ کے حکم کی تعمیل تھی۔

واضح رہے کہ قرآن کریم خانۂ کعبہ کا معمار حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرار دیتا ہے، اور اس بات کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتا کہ اس کی تعمیر تو حضرت آدم نے کی تھی، پھر یہ طوفان نوح کی زد میں آ گیا تھا اور حضرت ابراہیم نے صرف اس کی تجدید کی۔ کسی صحیح حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہے۔ اس لئے جن روایتوں کو بنیاد بنا کر مفسرین اس طرح کی باتیں کہتے ہیں، وہ قرآن کے صریح بیان سے مطابقت نہ رکھنے کی بنا پر، اس قابل نہیں ہیں کہ کسی تفسیر میں جگہ پائیں۔

(مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ آل عمران نوٹ ۱۱۷ ۔)

۴۳ ۔ یہ ہدایت ابراہیم علیہ السلام کو اس لئے دی گئی تھی، کہ اول روز ہی سے بیت اللہ کی تعمیر کا مقصد واضح ہو جائے اور ان کے پیرو، اس ہدایت کو حرزِ جان بنالیں۔ گھر کو پاک رکھنے کا مطلب خاص طور سے بتوں سے پاک رکھنا ہے نیز ہر قسم کا آلائشوں سے بھی۔

۴۴ ۔ جب خانۂ کعبہ کی تعمیر ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ حج کی عام منادی کر دیں۔ اس منادی کا مطلب یہ تھا کہ:

اولاً: یہ گھر کسی مخصوص قبیلہ، قوم یا علاقہ کے رہنے والوں کے لئے نہیں ہے، بلکہ یہ تمام لوگوں کے لئے عبادت گاہ ہے۔ لوگ یہاں آئیں اور اللہ ہی کی عبادت کریں۔

ثانیاً: اس گھر کی خصوصیت یہ ہے کہ حج کی عبادت اسی سے وابستہ ہے۔ حج کا امتیازی پہلو مخصوص شکل میں اللہ کے حضور حاضری ہے، اور توحید کا نقش دل

میں بٹھا کر اس سے گہری محبت وو ابستگی اور اس کے لئے قربانی کے جذبات پیدا کرنا ہے۔

ثالثاً: حج درحقیقت توحید کو قبول کرنے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے کی عام دعوت تھی۔ یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ لوگ اپنے رب کی طرف لپکیں اور اس کی عبادت کے لئے اس گھر کو مرجع بنائیں۔

۴۵۔ یعنی اتنی دور سے آئیں گے کہ سفر کی وجہ سے اونٹ دبلے ہوگئے ہوں گے۔ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں صحرائی سفر طے کرنے کا ذریعہ اونٹ ہی تھے اس لئے اس کا ذکر ہوا۔ اور آج تو کاروں، بسوں، اسٹیمروں، اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ لوگ دور دور کے علاقوں سے ہزاروں میل کا سفر طے کر کے حج کے لئے آتے ہیں۔ اس طرح ہر سال مسجد حرام میں دوملین (بیس لاکھ) سے زائد توحید کے پروانوں کا اجتماع ہوتا ہے۔

۴۶۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لوگ اپنے معاشی اور مادی فائدے دیکھ لیں، کیوں کہ حج کا حکم اس طرح کے فائدوں کے لئے نہیں دیا گیا ہے، بلکہ مراد دینی فائدے ہیں۔ کیوں کہ حج نہایت افضل عبادت ہے۔ مشہور مفسر علامہ جصاص لکھتے ہیں:

''منافع (منفعتوں) سے بالخصوص دنیا کی منفعتیں ہرگز مراد نہیں ہوسکتیں کیوں کہ اس صورت میں حج کی دعوت کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا کی منفعتیں حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ حالانکہ حج کا مطلب طواف، سعی، وقوف عرفہ و مزدلفہ، قربانی اور دیگر مناسک کی ادائیگی ہے۔ دنیوی منفعتیں اس میں تبعاً داخل ہیں اور صرف رخصت کے درجہ میں ہیں حج کا مقصود نہیں ہیں۔'' (احکام القرآن ج ۳ ص ۲۳۷)

حج کے دینی فائدوں میں سب سے بڑا فائدہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کا تصور ہے۔ چنانچہ حج کے دوران لبیک (خدایا حاضر ہوں) کی صدا بلند کی جاتی ہے۔ پھر بیت اللہ اور پھر شعائر اللہ کا مشاہدہ ایمان کی تقویت، اللہ کی محبت اور اس سے گہری وابستگی کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ کے لئے صبر کرنے اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرنے نیز اطاعت و تسلیم اور قربانی کے اعلیٰ جذبات کی پرورش کا سامان ہوتا ہے۔ اسلامی تاریخ کے نقوش ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے، جن کے کارہائے نمایاں سے خانۂ کعبہ کی تاریخ کے ابواب روشن ہیں کی عقیدت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ بیت اللہ کے زیر سایہ مسلمانوں کا عالمگیر اور روح پرور اجتماع امت مسلمہ کے مقصدِ وجود کو محسوس شکل میں پیش کرتا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ کے حضور تواضع اور بندگی اور اس سے ملاقات کا احساس ایک ایسی روح (Sprit) پیدا کرتا ہے، جو دنیا میں مؤمنانہ اور متقیانہ زندگی گزارنے کے لئے ایک زبردست قوت اور متاعِ عزیز ہے۔ رہیں مادی اور دنیوی برکتیں تو وہ حج کے ضمنی فوائد ہیں۔

۴۷۔ مراد **یوم النحر** اور ایام تشریق ہیں۔ یعنی ذی الحجۃ کی دسویں، گیارہویں، بارہویں، اور تیرہویں، تاریخ حدیث میں آتا ہے۔

كُلُّ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ ذِبْحٌ ''سب ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔''

یہ مسند احمد کی حدیث ہے اور اسے علامہ ناصر الدین البانی نے مناسک الحج والعمرہ میں نقل کر کے لکھا ہے، کہ یہ حدیث میرے نزدیک اسناد کے تمام طریقوں سے صحیح ہے۔ (کتاب مذکور صفحہ ۳۴)

۴۸۔ مراد وہ قربانی (ہدی) ہے جو حج کے مناسک میں سے ہے۔ یہ قربانی ان جانوروں کی جائز ہے جو مویشی (انعام) یعنی پالتو ہوں۔ یہ چار ہیں اونٹ، گائے، دنبہ اور بکری خواہ نر ہوں یا مادہ۔ یہ بات سورۂ انعام آیت ۱۴۳ اور ۱۴۴ سے بھی واضح ہے اور حدیث سے بھی۔ اور فقہ السنۃ کے مؤلف سید سابق نے لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے۔ (کتاب مذکور ج ۱ ص ۷۳۷)

۴۹۔ یہ اس بات کی صراحت ہے کہ قربانی (ہدی) کا گوشت کھانے اور کھلانے میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہے۔ یعنی اس کا حکم سوختنی (جس کا گوشت آگ کھالے) کا سا نہیں ہے جو یہود کے لئے تھی، جیسا کہ بائبل سے واضح ہے۔ بلکہ یہ سادہ اور آسان شریعت ہے جو طریقۂ ابراہیم کے ٹھیک مطابق ہے۔

قربانی کا گوشت محتاجوں کو کھلانے کی خاص طور سے ترغیب دی گئی ہے، لیکن اس کو قربانی کا اصل مقصد نہیں قرار دیا گیا۔ بلکہ اصل مقصد جیسا کہ اوپر کے فقرہ

سے واضح ہے مویشی چوپایوں کو اللہ کے نام پر قربان کرنا ہے، یعنی یہ ایک عبادت کی نوعیت کی چیز ہے اور اس سے حاصل ہونے والے دوسرے فوائد ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔

مشرکین جانوروں کی قربانی بتوں اور دیوی دیوتاؤں کے نام پر کرتے رہتے ہیں۔لیکن اسلام نے اس طریقہ عبادت کو اللہ کے لئے خاص کر دیا ہے، جس کو اختیار کر کے آدمی توحید پر قائم ہو جاتا ہے۔اس لئے اگر حالات کی مجبوری سے گوشت کو کسی مصرف میں نہ لایا جا سکتا ہو تب بھی قربانی کرنا ضروری ہوگا۔اللہ کے نام پر جانور کی قربانی پیش کرنے سے قربانی کا اصل مقصد تو حاصل ہو ہی جاتا ہے، اور گوشت کا کسی مصرف میں آنا اس کے ساتھ مشروط نہیں ہے۔حدیث میں بھی **اھراق دم** (جانور کا خون بہانے) کو افضل عمل قرار دیا گیا ہے اور اس عمل کی اصل قدر و قیمت اسی وقت سمجھ میں آ سکتی ہے، جب کہ آدمی توحید کی اہمیت کو سمجھتا ہو اور عبادت الٰہی کی قدر و قیمت جانتا ہو۔

اگر قربانی کی اصل اہمیت گوشت کی ہوتی تو سابقہ شریعت میں قربانی کے گوشت کو جلانے کا حکم نہ ہوتا، لیکن جن لوگوں کی نگاہ قربانی کی حقیقت پر نہیں بلکہ اس کے گوشت پر ہوتی ہے، وہ بعض ایسے حالات میں جب کہ قربانی کے گوشت کا انتظامی دشواریوں کی بنا پر کوئی مصرف نہیں ہوتا، قربانی کو عبث سمجھ کر اس کا بدل صدقہ کی شکل میں تجویز کرنے لگتے ہیں۔حالانکہ کسی ایسی چیز کا جو تعبدی نوعیت کی ہو، بدل تجویز کرنے کا ہمیں کوئی اختیار نہیں اور اگر عبادت کے معاملہ میں ہم نے عقلی گھوڑے دوڑانا شروع کئے تو دین کا پورا نظام متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔

۵۰۔ یعنی احرام کی پابندیوں کی وجہ سے جو میل کچیل ہو جاتا ہے اسے دور کریں۔احرام کی حالت ایک مخصوص حالت ہوتی ہے جس میں بال کٹوانا، ناخن ترشوانا، اور خوشبو لگانا ممنوع ہے۔اس لئے جسم کی صفائی کا وہ اہتمام نہیں ہو پاتا جو عام حالت میں ہوتا ہے۔مگر قربانی کے بعد سر کے بال منڈائے یا ترشوائے جاتے ہیں اور احرام اتارا جاتا ہے۔

۵۱۔ ''نذر'' کی تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ نمبر ۴۵۰۔ یہاں نذر کا ذکر خاص طور سے اس لئے ہوا کہ کسی نے قربانی کی نذر مانی ہے تو وہ اس موقع پر اسے پورا کر دے۔

۵۲۔ قرآن کے مخاطبین کے پیش نظر خانۂ کعبہ کو قدیم گھر سے تعبیر کیا گیا۔کیوں کہ نزول قرآن سے تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ہاتھوں اس کی تعمیر ہوئی تھی۔اس کا قدیم ہونا اس کی تاریخی حیثیت کو واضح کرتا ہے۔

سر منڈانے یا بال کتروانے کے بعد منیٰ سے مکہ پہنچنا اور بیت اللہ کا طواف کرنا ضروری ہے اسے طواف افاضہ یا طواف زیارہ کہا جاتا ہے اور یہ حج کا رکن ہے۔

۵۳۔ حرمتوں میں شعائر بھی شامل ہیں اور مناسک بھی۔شعائر میں کعبہ، مسجد حرام، صفا و مروہ اور قربانی کے جانور جیسی خدا پرستی کی نشانیاں شامل ہیں، اور ان کی تعظیم اسی طور سے مطلوب ہے جس طور سے کہ اسے مشروع قرار دیا گیا ہے۔مثال کے طور پر صفا و مروہ کی تعظیم کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے درمیان سعی کی جائے۔اس سعی کے دوران آدمی صفا اور مروہ پر پاؤں رکھتا ہے لیکن اس پر پاؤں رکھنا تعظیم کے خلاف نہیں ہے۔اسی طرح مسجد حرام سے نکلتے ہوئے آدمی کی پیٹھ خانۂ کعبہ کی طرف ہوتی ہے مگر یہ اس کی تعظیم کے خلاف نہیں ہے۔اگر کوئی شخص اس کو تعظیم کے خلاف سمجھ کر الٹے پاؤں چلتا ہے تو یہ تعظیم نہیں بلکہ بدعت ہوگی۔اسی طرح جو غلاف خانۂ کعبہ پر چڑھایا جانے والا ہو، اس کے لئے کوئی جلوس وغیرہ کا اہتمام کرتا ہے تو اس کا شمار بھی بدعت ہی میں ہوگا کیوں کہ تعظیم کا یہ طریقہ دین میں ایک نئے طریقہ کا اضافہ ہے۔

۵۴۔ اشارہ ہے سورۂ نحل کی آیت ۱۱۵ کی طرف جس میں مردار وغیرہ کی حرمت بیان ہوئی ہے۔مویشیوں کے حلال ہونے کا ذکر یہاں اوپر کے بیان کی مناسبت سے ہوا ہے۔مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ اللہ نے اپنی قائم کردہ حرمتوں کی تعظیم کا حکم ضرور دیا ہے، لیکن شرک اور وہم پرستی کی بنیاد پر لوگوں نے جو حرمتیں قائم

کی ہیں ان کی تعظیم کا حکم اس نے ہرگز نہیں دیا ہے۔ مشرکین مکہ نے بحیرہ اور سائبہ وغیرہ کے نام سے جن مویشیوں کو حرام ٹھہرایا تھا اس کے باطل ہونے کی طرف یہ اشارہ ہے۔ گائے کی تقدیس بھی اسی حکم میں ہے۔

۵۵۔ بتوں کی گندگی سے مراد عقیدہ و عمل کی وہ گندگی ہے جو بت پرستی کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ ایسے لوگ اوہام و خرافات اور ذہنی خباثت میں مبتلا رہتے ہیں۔

انسان کے نفس کا تزکیہ کرنے والی چیز عقیدۂ توحید اور ایمان ہی ہے، شرک تو انسان کے باطن کو نجاست سے بھر دیتا ہے۔

۵۶۔ بت پرستی اور شرک کی وجہ سے انسان خدا کے بارے میں ایسی باتیں کہنے لگتا ہے جو بالکل جھوٹ اور باطل ہوتی ہیں، ایسے لوگ خود ساختہ مذہبی رسومات کو ادا کرتے ہیں اور مخصوص جانوروں کی تقدیس کا حکم لگاتے ہیں اور جب ایسے لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار آ جاتا ہے تو وہ قانون سازی کے ذریعہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حلال کو حرام اور اس کے ٹھہرائے ہوئے حرام کو حلال قرار دیتے ہیں۔

حدیث میں شہادت زور (باطل کی گواہی) کو سنگین گناہ قرار دیا گیا ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ: الا اُنَبِّئُکُمْ بِاَکْبِرِ الْکَبائِرِ قلنا بلیٰ یا رسول اللّٰہِ؟ قال: الاشراک باللّٰہِ، و عُقُوق الوالدین، و کانَ مُتَّکِئًا فجلس فقال: اَلَا وَ قولُ الزُّور و شهادة الزور۔ (بخاری کتاب الادب)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ بڑے بڑے گناہوں میں سب سے بڑے گناہ کون سے ہیں! ہم نے عرض کیا ضرور اے اللہ کے رسول۔ فرمایا: ''اللہ کا شریک ٹھہرانا اور والدین سے قطع تعلق'' آپ آرام فرما تھے کہ اٹھ بیٹھے اور فرمایا: سنو جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی۔''

۵۷۔ یعنی توحید کی راہ اختیار کرو اور اس پر قائم رہو، کسی قسم کے شرک کی آمیزش کے بغیر۔

۵۸۔ یہ شرک کے انجام کی مثال ہے۔ انسان جب شرک کرتا ہے تو فطرت کی بلندی سے گرتا ہے۔ بلندی سے گرتے ہی اسے شیاطین پرندوں کی طرح اچک لے جاتے ہیں اور اس کے پرخچے اڑا دیتے ہیں۔ اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ جب وہ بلندی سے گرا تو ہواؤں نے اسے دور لے جا کر کسی گڑھے میں پھینک دیا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ شرک کے نتیجہ میں انسان خواہشات کا شکار ہو جاتا ہے اور خواہشات اسے پستی کی طرف لے جا کر تباہی کے گڑھے میں دھکیل دیتی ہیں۔ چنانچہ ایک مشرک میں کبھی فکری بلندی پیدا نہیں ہو پاتی، بلکہ وہ ذہنی اور اخلاقی اعتبار سے پستی ہی کی طرف مائل رہتا ہے۔

۵۹۔ یعنی شعائر کی تعظیم محض رسمی بات نہیں بلکہ اس کا تعلق دل کے تقویٰ سے ہے۔ شعائر کو دیکھ کر اللہ کی عظمت کا تصور پیدا ہوتا ہے اور اللہ کی عظمت کا تصور خوف اور پرہیزگاری پیدا کرتا ہے۔

❑❑❑❑❑❑

اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون بلکہ اس کو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔
اس طرح ہم نے ان کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے تا کہ تم اللہ کے ہدایت
بخشنے پر اس کی کبریائی (بڑائی) بیان کرو۔ اور (اے نبی!) نیکوکاروں کو
خوشخبری دے دو۔ یقیناً، اللہ ان لوگوں کی مدافعت کرے گا جو ایمان
لائے ہیں۔ اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو خیانت کرنے والا اور ناشکرا
ہو۔ ان لوگوں کو (جنگ کی) اجازت دی گئی جن کے خلاف جنگ کی جا رہی
ہے کیوں کہ وہ مظلوم ہیں۔ اور اللہ ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔ (القرآن)

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾

۳۳ تمہارے لئے ان (قربانی کے جانوروں) میں ایک مقررہ وقت تک فائدے ہیں پھر ان کے قربان کرنے کی جگہ اس قدیم گھر کے پاس ہے۔ ۶۰

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۭ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۭ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴ ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کا ایک طریقہ مقرر کیا تا کہ وہ مویشی چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں بخشے ہیں ۶۱۔ تو تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے لہٰذا اپنے کو اسی کے حوالہ کر دو۔ اور (اے نبی!) عاجزی اختیار کرنے والوں کو خوشخبری دیدو۔ ۶۲

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰي مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵ جن کا حال یہ ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں ۶۳۔ جو مصیبت میں صبر کرنے والے اور نماز قائم کرنے والے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں بخشا ہے اسمیں سے وہ خرچ کرتے رہتے ہیں۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَاۗىِٕرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۡ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَاۗفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۭ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶ اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر میں سے ٹھہرایا ہے ۶۴۔ تمہارے لئے ان میں بہتری ہے تو انہیں قطار میں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو ۶۵۔ پھر جب وہ اپنے پہلوؤں پر گر پڑیں تو ان میں سے کھاؤ ۶۶۔ اور کھلاؤ قناعت کرنیوالوں اور مانگنے والوں کو ۶۷۔ اس طرح ہم نے ان کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے تا کہ تم شکر گذار بنو۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ ۭ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷ اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون بلکہ اس کو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے ۶۸۔ اس طرح ہم نے ان کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے تا کہ تم اللہ کے ہدایت بخشنے پر اس کی کبریائی (بڑائی) بیان کرو۔ ۶۹ اور (اے نبی!) نیکوکاروں کو خوشخبری دے دو۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾

۳۸ یقیناً، ۷۰۔ اللہ ان لوگوں کی مدافعت کرے گا جو ایمان لائے ہیں۔ اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو خیانت کرنے والا اور ناشکرا ہو۔ ۷۱

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ﴿۳۹﴾

۳۹ ان لوگوں کو (جنگ کی) اجازت دی گئی جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے کیوں کہ وہ مظلوم ہیں ۷۲۔ اور اللہ ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔

۶۰۔ یعنی ھدی (حج کی قربانی) کے جانوروں کا دودھ پیا جا سکتا ہے اور ان سے سواری کا فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔ پھر ان کو قربان کرنے کی جگہ بیت اللہ کے پاس ہے۔ حدیث میں صراحت ہے کہ قربانی منیٰ میں بھی کی جا سکتی ہے اور مکہ میں بھی۔

وَ کُلُّ مِنیً مَنْحَرٌ وَ کُلُّ فِجاجِ مَکَّۃَ مَنْحَرٌ ۔'' منیٰ پورا قربان گاہ ہے اور مکہ کے تمام راستے قربان گاہ ہیں۔'' (ابوداؤد کتاب الصیام)

گویا قربان گاہ بیت اللہ کے جوار سے منیٰ تک وسیع ہے۔ لیکن چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر منیٰ میں قربانی کی تھی، اس لئے منیٰ میں قربانی کرنا مسنون ہے۔ اور مسجد حرام کے ماحول کی نظافت کے پیش نظر یہی مناسب ہے۔

۶۱۔ یعنی اس سے پہلے دوسری شریعتوں میں قربانی کے طریقے مختلف رہے ہیں۔ مثلاً اہل کتاب میں سوختی (آتشیں) قربانی کا طریقہ رائج تھا۔ (احبار ۲۲:۱۷ تا ۳۳) لیکن قربانی کا اصل اصول تمام شریعتوں میں یہی تھا کہ صرف اللہ کے لئے قربانی کی جائے۔ اس کے بخشے ہوئے جانوروں کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا یا قربان کرنا کسی شریعت میں بھی روا نہیں رہا۔ اس لئے جن مذاہب میں اللہ کے سوا کسی اور کے لئے قربانی کا طریقہ رائج ہے وہ ایک مشرکانہ بدعت ہے۔ اللہ کے دین اور اس کی شریعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

۶۲۔ یہ ہے قربانی کی اصل اسپرٹ کہ آدمی توحید کا اقرار کرے، اپنے کو مکمل طور پر اس کے حوالہ کرے اور اپنے اندر عجز و نیاز کی صفت پیدا کرے۔ جانور کو زمین پر گرا دینے کا مطلب درحقیقت اپنے کو اللہ کے آگے گرا دینا ہے۔

۶۳۔ یہ اہل ایمان کی اہم ترین خصوصیت ہے کہ جہاں اللہ کا ذکر ہو، دل کانپ اٹھے۔ اللہ کے معاملہ میں وہ بڑے حساس ہوتے ہیں۔ اور اس کے ذکر سے ان کے دل دھڑکنے لگتے ہیں۔

۶۴۔ یہود اونٹ کے ذبیحہ کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اور مشرکین غیر اللہ کے لئے اونٹ کو نامزد کرتے تھے۔ قرآن نے اس کے برعکس اللہ کے نام پر اونٹ کو ذبح کرنا جائز ٹھہرایا اور اس کی قربانی کو شعائر اللہ میں سے قرار دیا۔

۶۵۔ اونٹ کو ذبح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو کھڑا کر کے اس کے حلق میں برچھی چبھو دی جائے۔ یہ طریقہ ''نحر'' کہلاتا ہے۔ اس طرح خون بہنے لگتا ہے اور اونٹ خود بخود اپنے پہلو پر گر جاتا ہے۔ اگر اونٹ جیسے جانور کو لٹا کر ذبح کرنے کا حکم ہوتا تو اس میں دشواری ہوتی۔ ان کو صف بستہ کھڑا کرنے میں عبادتِ الٰہی کی شان کا بھی اظہار ہے۔

۶۶۔ یعنی ذبح کرنے کے بعد جب ان کی جان نکل جائے تو ان کا گوشت کھانے کے کام میں لاؤ۔

۶۷۔ ھدی (حج کی قربانی) کا گوشت خود بھی کھا سکتے ہیں اور دوسروں کو بھی کھلا سکتے ہیں۔ ضرورتمندوں کو خواہ وہ قناعت پسند ہوں یا سائل، کھلانے کی خاص طور سے ہدایت کی گئی ہے۔

۶۸۔ یہ ہے قربانی کی اصل روح اور اس کی غایت۔ اللہ کو اس کا خون اور گوشت مطلوب نہیں بلکہ تقویٰ (خدا خوفی اور پرہیزگاری) مطلوب ہے۔ اور قربانی کی عبادت اسی لئے مشروع ہوئی ہے تاکہ تقویٰ کے جذبات پرورش پائیں۔

قابیل کی قربانی کے قبول نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی پشت پر تقویٰ کا جذبہ کارفرما نہ تھا۔ (سورۂ مائدہ آیت ۲۷)

۶۹۔ اسی حکم کی تعمیل میں قربانی کے جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر (اللہ کے نام سے اللہ سب سے بڑا ہے) کہا جاتا ہے۔

۷۰۔ حج کا بیان اوپر ختم ہوا۔ اب کلام کا رخ جہاد کی طرف پھر رہا ہے، جو ظلم کو دفع کرنے کے لئے بھی ضروری تھا اور مسجد حرام کو مشرکوں کے تسلط سے آزاد کرنے کے لئے بھی۔

۷۱۔ جہاد کا حکم بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل ایمان کو یہ خوشخبری سنائی ہے کہ وہ ان کی طرف سے مدافعت کرے گا۔ یعنی کفر و اسلام کی

جنگ میں اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت اہل ایمان کو حاصل ہوگی اور وہ کافروں کی چالوں کو ناکام کردے گا۔ ایسا اس لئے کرے گا کہ وہ خیانت کرنے والوں اور ناشکری کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ قریش اور ان کے ساتھی خائن ہیں کیوں کہ خانۂ کعبہ کی جو عمارت ان کے سپرد ہوئی تھی اس میں وہ اس خیانت اور بدعہدی کے مرتکب ہوئے کہ اس میں بُت لاکر بٹھادئے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرنے کے بجائے شرک اور ناشکری کی راہ اختیار کی۔

۷۲۔ یہ پہلی آیت ہے جس میں جہاد (اللہ کی راہ میں جنگ) کرنے کی اجازت دی گئی۔ یہ ۱ھ کے آواخر کی بات ہے۔ اس آیت میں جنگ کی اجازت کے دو وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ مشرکین مکہ نے اہل ایمان کے خلاف خود جنگ چھیڑ دی چنانچہ صورتحال یہ تھی کہ جہاں وہ موقع پاتے مسلمانوں کے ایک نہ ایک گروہ پر حملہ کردیتے، یعنی مدینہ میں بھی ان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا گیا، بلکہ ان کے خلاف جارحانہ حملوں کا آغاز کردیا گیا۔ (اس کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں ملتی ہے) دوسری وجہ یہ بیان ہوئی کہ اہل ایمان مظلوم ہیں ان کا مظلوم ہونا بالکل ظاہر ہے، کیوں کہ ان کو ناحق اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کردیا گیا تھا۔ اب اگر وہ اپنی مدافعت میں تلوار اٹھاتے ہیں تو ایسا کرنے میں وہ بالکل حق بجانب ہیں۔

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے اور ان کے کان سننے والے ہوتے ۔حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں ۔ (اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے عذاب کے لئے جلدی کر رہے ہیں حالانکہ اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ۔اور تمہارے رب کے نزدیک ایک دن تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہے۔(القرآن)

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ
اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ
فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ
عَزِيْزٌ ۝۴۰

۴۰ یہ لوگ اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے محض اس بنا پر کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے ۷۳۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں، گرجے، کنیسے اور مسجدیں جن میں بہ کثرت اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے ڈھادی گئی ہوتیں ۷۴۔ اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے ۷۵۔ بلاشبہہ اللہ قوت والا اور غالب ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا
الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ
الْاُمُوْرِ ۝۴۱

۴۱ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، بھلی بات کا حکم دیں گے اور برائیوں سے روکیں گے ۷۶۔ اور تمام معاملات کا انجامِ کار اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ ۷۷۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۝۴۲

۴۲ اور (اے نبی!) اگر یہ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے قومِ نوح، عاد اور ثمود نے بھی جھٹلایا تھا۔ ۷۸۔

وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۝۴۳

۴۳ اور قومِ ابراہیم اور قوم لوط بھی جھٹلا چکی ہے۔

وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ
مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝۴۴

۴۴ نیز مدین والوں نے بھی جھٹلایا تھا ۷۹۔ اور موسیٰ بھی جھٹلائے گئے تھے ۸۰۔ تو میں نے ان کافروں کو مہلت دی پھر ان کو پکڑ لیا۔ تو دیکھو کیسی رہی میری سزا!

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰي عُرُوْشِهَا
وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝۴۵

۴۵ اور کتنی ہی ظالم بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا تو وہ اپنی چھتوں پر گر گئیں اور کتنے ہی کنویں بیکار ہو گئے اور کتنے ہی پختہ محل (ویران ہو گئے!) ۸۱۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ
اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ
وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝۴۶

۴۶ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے اور ان کے کان سننے والے ہوتے ۸۲۔ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔ ۸۳۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا
عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝۴۷

۴۷ (اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے عذاب کے لئے جلدی کر رہے ہیں حالانکہ اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں۔ اور تمہارے رب کے نزدیک ایک دن تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ ۸۴۔

۷۳۔ یعنی مشرکین مکہ نے اہل ایمان کو جو گھر سے بے گھر کیا اس کی وجہ صرف یہ تھی، کہ وہ توحید کے قائل تھے اور شرک اور بت پرستی سے انہیں انتہائی نفرت تھی۔ ان کی یہ خوبی مشرکین کی نظر میں نہ صرف عیب بلکہ جرم تھی۔ گویا اللہ کے وفادار بندوں کو اللہ کی زمین پر جینے کا حق نہیں ہے۔

۷۴۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اس سنت (قاعدہ) کا اعلان ہے جس کے مطابق وہ ظالم اور مفسد قوم کے سر کچلنے کے لئے کسی نہ کسی قوم کو اٹھاتا رہتا ہے۔ اور دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ جب کوئی قوم یا گروہ ظلم پر اتر آیا ہے، تو اس کو ہٹانے کا سامان کسی دوسری قوم یا گروہ کے ذریعہ ہوتا رہا ہے۔ اس کی مصلحت یہاں واضح فرمادی کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ عبادت گاہیں جن میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، خواہ وہ نصاریٰ کی ہوں، یہود کی ہوں یا مسلمانوں کی ظالموں کے ہاتھوں کبھی کی مسمار ہو چکی ہوتیں۔

اس سنت الٰہی کو بیان کرنے سے مقصود یہاں یہ واضح کرنا ہے کہ قریش نے مسجد حرام کے تقدس کو باقی نہیں رکھا۔ اور مدینہ کے مسلمانوں پر اس کے دروازے بند کر دئے ہیں۔ ان کے اس ظلم کو دفع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے گروہ کو میدان میں لا رہا ہے۔

واضح رہے کہ آیت میں جن عبادت گاہوں کا ذکر ہوا ہے وہ یا تو اہل کتاب سے تعلق رکھتی ہیں یا مسلمانوں سے، کیوں کہ ان میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اس لحاظ سے وہ قابل احترام ہیں۔ رہے بت پرستوں کے مندر تو ان میں اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا بلکہ بتوں کو پوجا جاتا ہے، اس لئے ان کی نوعیت مذکورہ عبادت گاہوں سے بالکل مختلف ہے۔

۷۵۔ اللہ کی مدد کرنے کا مطلب اس کے دین کی مدد کرنا اور اس کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے جہاد کرنا ہے، ورنہ اللہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہے، بلکہ بندے اس کی مدد کے محتاج ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ کی دو صفتوں کا ذکر ہوا ہے۔ ایک یہ کہ وہ قوت والا ہے اور دوسری یہ کہ وہ غالب ہے۔ اس کے بعد کسی غلط فہمی کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

۷۶۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ ایک گروہ ایسا تیار ہو گیا ہے، جس کو اگر اللہ تعالیٰ اقتدار بخشے تو وہ نماز اور زکوٰۃ جیسے دین کے بنیادی ارکان کو قائم کرنے والا ہوگا۔ وہ فساد کی جگہ زمین میں اصلاح کے کام کرے گا بھلائیوں کو پھیلائے گا اور برائیوں کو مٹائے گا۔

معلوم ہوا کہ جو لوگ ان خصوصیات کے حامل ہوں وہی اقتدار کے مستحق اور حکومت کرنے کے اہل ہیں۔

یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں ایک ایسا گروہ برپا ہو گیا تھا۔ جو خلافت و حکومت کا اہل تھا چنانچہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب پر اقتدار حاصل ہوا تو آپ کے اصحاب اس کا مصداق ثابت ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب خلافت قائم ہوئی تو وہ اس کا عملی نمونہ تھے۔ مگر مسلمانوں کا ایک فرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو کر کے صحابۂ کرام کی پوری جماعت کو بجز چند اصحاب کے مطعون کرتا ہے، اور تینوں خلفاء کو غاصب ٹھہراتا ہے۔ ان کا یہ اعتقاد اس بات سے صریح انحراف ہے جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے اور ان کی گمراہی کے لئے یہ ایک دلیل ہی کافی ہے۔

۷۷۔ یعنی کسی بھی معاملہ کا آخری فیصلہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے، اس لئے حالات کیسے ہی ہوں وہ جو کچھ چاہتا ہے ظہور میں آ کر رہے گا۔ یہ اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ اہل ایمان کو بالآخر اقتدار حاصل ہوگا۔

۷۸۔ یعنی اگر یہ آپ کو جھٹلاتے رہے ہیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ اس سے پہلے بھی کتنی قومیں اپنے اپنے وقت کے پیغمبروں کو جھٹلا چکی ہیں۔ مثال کے طور پر نوح کو ان کی قوم نے جھٹلایا تھا۔ اسی طرح عاد نے اپنے پیغمبر ہود کو اور ثمود نے اپنے پیغمبر صالح کی تکذیب کی تھی۔

۷۹۔ مدین والوں نے اپنے پیغمبر شعیب کو جھٹلایا تھا۔

۸۰۔ موسیٰ کو ان کی قوم بنی اسرائیل نے نہیں جھٹلایا تھا بلکہ فرعون والوں نے جھٹلایا تھا۔

اس لئے مجہول کا صیغہ استعمال کیا گیا کہ ''موسیٰ جھٹلائے گئے تھے۔''

۸۱ ۔ اس زمانہ میں جب کہ قرآن نازل ہو رہا تھا تباہ شدہ قوموں کے آثار عرب کے مختلف علاقوں میں موجود تھے۔ یہ اس بات کا تاریخی ثبوت تھا کہ انبیاء علیہم السلام کو جھٹلانے کے نتیجہ میں یہ قومیں اللہ کے عذاب کا نشانہ بنیں۔ کنویں صحرا میں بڑی اہمیت رکھتے تھے مگر جب بستیاں تباہ ہوگئیں تو یہ بیکار ہو کر رہ گئے۔ اسی طرح شاندار محل ویران ہو گئے۔

۸۲ ۔ یعنی یہ لوگ سفر کرتے رہتے ہیں اور تباہ شدہ بستیوں کے آثار ان کے مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ مگر وہ کبھی ان کو عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

یہی حال موجودہ زمانہ کی اثری تحقیقات کرنے والوں اور آثار قدیمہ کی زیارت کرنے والوں کا ہے، کہ وہ ان چیزوں کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ ان گزری ہوئی قوموں نے آرٹ کے کیسے نمونے پیش کئے اور ان کی تہذیب کیا تھی؟ رہی یہ بات کہ انہوں نے زمین میں بناؤ کا کام کیا یا بگاڑ کا؟ اپنے رب کے ساتھ شکر گذاری کا رویہ اختیار کیا تھا یا ناشکری کا؟ انہوں نے جو نمونے پیش کئے ہیں وہ آرٹ کے ہیں یا اسراف کے؟ ان کی تہذیب دنیا پرستانہ تھی یا آخرت کو نصب العین قرار دینے والی؟ تو ان باتوں سے وہ تعرض ہی نہیں کرتے کیوں کہ ان کو ان باتوں سے دلچسپی ہی نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ کہ حقیقت تک ان کی رسائی نہیں ہو پاتی۔

۸۳ ۔ دل کے اندھا ہونے کا مطلب بصیرت سے محروم ہونا ہے۔ آدمی سر کی آنکھوں سے ظاہری حالات کو دیکھتا ہے مگر ان کے اندر حقیقت تک رسائی کا جو سامان ہے اس کو دیکھنے کے لئے دل کی آنکھیں درکار ہوتی ہیں۔ یعنی بصارت کے ساتھ بصیرت کی بھی ضرورت ہے۔ ورنہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود آدمی کچھ بھی نہیں دیکھتا۔ یہی دل کا اندھا پن ہے۔ آیت میں جس اہم حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ انسان کے تمام باطنی قویٰ کا مرکز قلب (دل) ہے جو سینہ کے اندر ہوتا ہے یعنی اس کا باطن۔ حدیث نبوی میں بھی اس حقیقت کو کھول کر بیان کیا گیا ہے:

اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ۔ (بخاری کتاب الایمان)

''اچھی طرح سمجھ لو کہ جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو تو پورا جسم درست حالت میں رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے آگاہ ہو جاؤ کہ وہ قلب ہے۔''

اور واقعہ یہ ہے کہ انسان کے تمام احساسات و جذبات کا مرکز دل ہی ہے۔ جب کہ دماغ کی حیثیت ایک سوچنے والے آلہ اور ایک معاون کی ہے۔ محبت و نفرت، دوستی اور دشمنی، خلوص اور بدنیتی، ہمدردی اور شقاوت، سبق آموزی اور بے حسی جیسی باتیں دل ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لئے اگر قرآن نے عقیدہ و عمل کے لئے اصل محرک قلب کو قرار دیا ہے تو اس نے درحقیقت ایک بہت بڑی حقیقت کی نشاندہی کی ہے۔

۸۴ ۔ یعنی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہو کہ وقت کے جو پیمانے تم نے قائم کئے ہیں اور جس کی بنا پر تم عجلت اور تاخیر کا حکم لگاتے ہو وہی پیمانے اللہ کے ہاں بھی ہیں۔ نہیں بلکہ قوموں کے ساتھ معاملہ کرنے میں اس کے نزدیک وقت کا پیمانہ تمہارے پیمانوں سے بالکل مختلف ہے۔ اس کے نزدیک ایک دن تمہارے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ گویا کسی قوم کے لئے چند سالوں کی مہلت کائناتی گھڑی کے حساب سے محض چند منٹوں کی مہلت ہے۔

اب تو یہ بات انسان کے علم میں آچکی ہے کہ مختلف سیاروں میں دن کی مقدار زمین کے دن کی مقدار سے مختلف ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر قرآن یہ خبر دیتا ہے کہ قوموں کے ساتھ معاملہ کرنے کے لئے وقت کا جو پیمانہ اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اس کی رو سے ایک دن تمہارے ایک ہزار سال کے برابر ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے!

اور کفر کرنے والے تو اس کی طرف سے شک ہی میں پڑے رہیں گے۔
یہاں تک کہ ان پر قیامت کی گھڑی اچانک آ جائے یا محرومی کے دن کا
عذاب آ جائے۔ اس دن، بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی۔ وہ ان کے درمیان
فیصلہ کرے گا۔ تو جو لوگ ایمان رکھتے ہوں گے اور اچھے عمل کئے ہوں
گے وہ نعمت بھرے باغوں میں ہوں گے۔ (القرآن)

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۴۸

۴۸ اور کتنی ہی بستیاں ہیں جن کو میں نے مہلت دی اور وہ ظالم تھیں۔ پھر ان کو پکڑ لیا اور میری ہی طرف سب کی واپسی ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۴۹

۴۹ (اے نبی!) کہو اے لوگو! میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمہیں کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔ ۸۵

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۵۰

۵۰ تو جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔ ۸۶

وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۵۱

۵۱ اور جن لوگوں کی سرگرمیاں ہماری آیتوں کو نیچا دکھانے کے لئے ہوں گی وہ دوزخ والے ہیں۔ ۸۷

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۵۲

۵۲ اور (اے پیغمبر!) تم سے پہلے ہم نے جو رسول اور نبی بھی بھیجا ہے ۸۸۔ (ضرور ایسا ہوا ہے کہ) جب اس نے تمنا کی شیطان نے اس کی امنگ میں خلل ڈال دیا ۸۹۔ مگر اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسوں کو مٹاتا ہے پھر اللہ اپنی آیتوں کو مضبوط کرتا ہے ۹۰۔ اور اللہ علیم وحکیم ہے۔ ۹۱

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۵۳

۵۳ (یہ صورت اس لئے پیش آتی ہے) تاکہ وہ شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسوں کو ان لوگوں کے لئے فتنہ (ذریعہ آزمائش) بنا دے جن کے دلوں میں روگ ہے اور جن کے دل سخت ہیں ۹۲۔ بلاشبہ یہ ظالم مخالفت میں بہت دور نکل گئے ہیں۔

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۵۴

۵۴ اور تاکہ وہ لوگ جن کو علم عطا ہوا ہے جان لیں کہ یہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے اور وہ اس پر ایمان رکھیں اور ان کے دل اس کے آگے جھک جائیں ۹۳۔ یقیناً اللہ ایمان لانے والوں کو سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ۵۵

۵۵ اور کفر کرنے والے تو اس کی طرف سے شک ہی میں پڑے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ان پر قیامت کی گھڑی اچانک آ جائے یا محرومی کے دن کا عذاب آ جائے۔ ۹۴

اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۵۶

۵۶ اس دن ۹۵، بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی۔ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ تو جو لوگ ایمان رکھتے ہوں گے اور اچھے عمل کئے ہوں گے وہ نعمت بھرے باغوں میں ہوں گے۔

۸۵۔ یعنی میرا کام تو اللہ کی نافرمانی کے نتائج بد سے آگاہ کر دینا ہے۔اس کے بعد ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام۔

۸۶۔ یعنی آخرت میں اہل ایمان کو جو رزق ملے گا وہ نہ صرف عمدہ اور نفیس ہوگا بلکہ اعزاز کے ساتھ ملے گا۔

۸۷۔ یہ بات اصلاً کافروں کے تعلق سے کہی گئی تھی مگر موجودہ زمانہ میں ایسے مسلمانوں کی کمی نہیں، جو اپنے سیاسی اور دنیوی مفادات کے پیش نظر قرآن کے احکام اور اس کی تعلیمات کو نیچا دکھانے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگاتے ہیں۔ یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ قرآن میں جو باتیں کافروں کے تعلق سے کہی گئی ہیں وہ کافروں کے لئے مخصوص ہیں، بلکہ وہ اصولی باتیں ہیں اور ایک مسلمان کا کسی کافرانہ طرز عمل کو اختیار کرنا اتنا ہی قابل مذمت ہے جتنا کہ ایک غیر مسلم کا اس کو اختیار کرنا۔

۸۸۔ رسول اور نبی میں منصب کی حقیقت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے البتہ ذمہ داریوں کے لحاظ سے کسی قدر فرق ہے۔ ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر اس کی ذمہ داریاں ایک نبی سے بڑھ کر ہوتی ہیں۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی بھی تھے اور رسول بھی۔مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ مریم نوٹ ۱۷۔

۸۹۔ کسی بھی رسول اور نبی کی تمنا یہی ہوتی ہے کہ جس حق کو لے کر وہ آیا ہے اس کو لوگ قبول کر لیں۔مگر جب وہ اپنی یہ دعوت پیش کرتا ہے تو شیطان لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر کے پیغمبر اور اس کی دعوت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر دیتا ہے اور لوگوں کو اس کی مخالفت پر اکساتا ہے۔اس طرح شیطان پیغمبر کی امنگ میں خلل ڈالتا ہے اور اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دیتا ہے۔آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ایک طرف آپ کی یہ دلی تمنا تھی کہ آپؐ کی قوم آپ پر ایمان لائے۔اور دعوت حق کو قبول کر کے اللہ کی رحمتوں کی مستحق بن جائے، اور دوسری طرف قوم کا طرز عمل یہ تھا کہ آپؐ کی دعوت کو برداشت کرنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں تھی، یہاں تک کہ آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔اس موقع پر آپ کو تسلی دیتے ہوئے واضح کیا گیا کہ آپ کے ساتھ جو معاملہ پیش آرہا ہے وہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔پیغمبروں کے ساتھ ہمیشہ یہی معاملہ پیش آتا رہا ہے۔

۹۰۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کرتا ہے کہ شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسے مٹ جاتے ہیں۔اور حق اس طرح نکھر کر سامنے آجاتا ہے جیسے بادلوں کے چھٹ جانے سے چاند روشن ہو کر سامنے آگیا ہو۔

قرآن کی یہ بات حرف بہ حرف پوری ہوئی۔شیطان کی وسوسہ اندازی کے نتیجہ میں جو شبہات پیدا ہو گئے تھے، ان کا ازالہ ہو گیا اور دین حق اس طرح جلوہ گر ہو گیا کہ اس پر کوئی غبار نہ تھا۔

۹۱۔ اللہ کی ان دو صفتوں کو یہاں بیان کرنے سے مقصود اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے، کہ یہ جو کچھ نبی کے ساتھ پیش آتا ہے وہ مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے ساتھ جو معاملہ کرتا ہے وہ علم وحکمت پر مبنی ہوتا ہے۔لہٰذا یقین رکھو کہ شیطان نے جو شر پیدا کیا ہے اس کے مقابلہ میں اللہ خیر کو ابھارے گا۔

آیت کا جو مفہوم ہم نے اوپر بیان کیا وہ نہ صرف سیاق وسباق کے مطابق ہے، بلکہ اس سے ملتی جلتی جو باتیں قرآن میں دیگر مقامات پر ارشاد ہوئیں ہیں اس سے بھی مطابقت رکھتا ہے۔لیکن بعض مفسرین نے ایک موضوع حدیث کا سہارا لے کر اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کو سورۂ والنجم سنا رہے تھے جس میں بت پرستی کی مذمت کی گئی ہے تو شیطان نے آپ کی زبان پر بتوں کے لئے تعریفی کلمات (تلک الغرانیق) جاری کر دئے۔یہی شیطان کا القاء تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے بعد میں منسوخ کر دیا جیسا کہ بعد کی آیت میں بیان ہوا ہے۔

یہ روایت ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر جامع البیان میں جو عربی کی مشہور اور قدیم ترین تفسیر ہے بلا تحقیق بیان کر دی۔اس کے بعد کچھ دوسرے مفسرین نے مکھی پر مکھی چپکانے کا کام کیا۔لیکن اکثر مفسرین، محدثین اور علماء نے اس کا سخت نوٹس لیا اور اس روایت کو موضوع اور باطل قرار دیا چنانچہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں اس پر مفصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ قصہ موضوع ہے (تفسیر کبیر جلد ۲۳ ص ۵۱)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''اس قصہ کی تمام روایتیں مرسل (منقطع) ہیں اور میرے دیکھنے میں نہیں آیا کہ کہیں صحیح اسناد کے ساتھ متصلاً بیان ہوا ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۹)

اور علامہ آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں: بہت سے محققین نے اس قصہ کو نا قابل قبول قرار دیا ہے۔ بیہقی کہتے ہیں یہ قصہ عقل کی رو سے ثابت نہیں ہوتا اور قاضی عیاض الشفاء میں فرماتے ہیں اس حدیث کو بے وقعت قرار دینے کیلئے یہ بات کافی ہے کہ اس کو اہل صحت (اصحاب صحاح ستّہ) میں سے کسی نے بیان نہیں کیا۔ اور نہ کسی ثقہ راوی نے اسے صحیح تسلیم اور متصل سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ بلکہ اس سے صرف ایسے مفسرین اور مورخین کو دلچسپی رہی ہے جنہیں ہر غریب (غیر معروف) روایت سے دلچسپی ہوتی ہے اور جو کتابوں سے ہر صحیح و سقیم روایت کو اخذ کرتے ہیں اور ''بحر'' میں ہے اس قصہ کے بارے میں امام محمد بن اسحاق السیرۃ النبویہ کے مؤلف سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ زندیقوں کا گھڑا ہوا ہے۔'' (روح المعانی ج ۶ ص ۱۷۷)

علامہ آلوسی نے اس قصہ کی تردید میں مبسوط بحث کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ہمارے لئے یہ باور کرنا آسان ہے کہ شیطان نے بعض راویوں کی زبان پر یہ بات القاء کر دی تھی بہ نسبت اس کے کہ رسول اللہ کی زبان پر شیطان نے غرانیق (بتوں کی تعریف) کی بات القاء کی تھی۔ (ملاحظہ ہو روح المعانی ج ۲ ص ۱۸۲)

اردو میں علامہ شبلی اپنی محققانہ تصنیف ''سیرۃ النبی'' میں اس قصہ کو بیہودہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ قصہ اگرچہ سرتا پا بیہودہ اور نا قابلِ ذکر ہے اور اکثر کبار محدثین مثلاً بیہقی، قاضی عیاض، علامہ عینی، حافظ منذری، علامہ نووی نے اس کو باطل اور موضوع لکھا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ بہت سے محدثین نے اس روایت کو بہ سند نقل کیا ہے۔'' (سیرت النبی ج ۱ ص ۲۲۴)

اور مولانا مودودی نے اپنی وقیع تفسیر ''تفہیم القرآن'' میں اس پر مبسوط اور مدلل بحث کرتے ہوئے اس روایت کے پرخچے اڑا دئے ہیں اور اخیر میں لکھا ہے:

''خدا کی پناہ اس روایت پرستی سے جو محض سند کا اتصال یا راویوں کی ثقاہت یا طرق روایت کی کثرت دیکھ کر کسی مسلمان کو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کے بارے میں ایسی سخت باتیں تسلیم کرنے پر آمادہ کر دے۔'' (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۲۴۴)

دراصل یہ روایت اس قدر بیہودہ ہے کہ اس کو بیان کرنا بھی طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔ اسی لئے ہم نے اس کو پوری طرح نقل بھی نہیں کیا بلکہ اس کا خلاصہ بیان کرنے پر اکتفاء کیا۔ یہ روایت قرآن کی تصریحات کے بالکل خلاف اور نبی ﷺ پر صریح بہتان ہے۔ اس لئے اس کو رد کرنے کے لئے یہ ایک بات ہی کافی ہے۔ مگر جو لوگ روایت پرستی میں مبتلا ہوتے ہیں وہ کسی نہ کسی تاویل کے ذریعہ ایک ایسی بات کو بھی قبول کر لیتے ہیں جو قرآن کے خلاف ہوتی ہے۔ وہ راویوں پر کوئی حرف نہیں آنے دینا چاہتے اگرچہ پیغمبر کی شخصیت مجروح ہو رہی ہو۔ قبول حدیث کا یہ معیار سراسر غلط ہے، خواہ فن حدیث کا کوئی ماہر ہی اس کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور کیوں نہ لگائے۔ قرآن، فرقان یعنی کسوٹی ہے اس لئے جو روایت اس کسوٹی پر کھوٹی ثابت ہو وہ رد اور باطل ہے۔ ایسی روایت کو فن حدیث کی بحثوں میں الجھا کر صحیح ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

اور جہاں تک آیت زیر تفسیر کا تعلق ہے اس میں تو یہ بات عمومیت کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ شیطان کس طرح ایک نبی کی امنگ میں خلل انداز ہوتا ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسی سورۂ انعام آیت ۱۱۳، ۱۱۴ میں بیان ہوئی ہے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ اس کو نبی ﷺ کے ساتھ خاص قرار دیا جائے اور نہ اس تکلف کی ضرورت ہے کہ تمنّیٰ کے معروف معنی سے ہٹ کر پڑھنے اور تلاوت کرنے کے لئے جائیں جیسا کہ متعدد مفسرین نے لئے ہیں۔ مزید برآں جو قصہ بیان کیا جاتا ہے وہ مکی دور سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا زمانہ ہجرت حبشہ کے کچھ عرصہ بعد کا بتایا جاتا ہے۔ جب کہ سورۂ حج مدنی تنزیل ہے جیسا کہ اس کے مضامین (ہجرت جہاد وغیرہ کے احکام اور حج سے مسلمانوں کو روک دینے کے بیان) سے ظاہر ہے۔ اس لئے اس سورہ کی زیرِ تفسیر آیت کا اس شانِ نزول سے کوئی تعلق نہیں ہے جو اس قصہ میں بیان ہوا ہے۔

۹۲ یعنی اللہ تعالیٰ ان حالات سے نبی کو اس لئے گذارتا ہے کہ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات ان لوگوں کیلئے وجہ آزمائش بن جائیں، جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہو گئے ہیں۔ روگ سے مراد متعصّبانہ اور مجرمانہ ذہنیت ہے، اور دلوں کے سخت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نصیحت ان پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ یہ نتیجہ ہے اسی گنہگارانہ ذہنیت کا۔ ایسے لوگ جب شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کے ذریعہ آزمائش میں پڑتے ہیں تو وہ اس کے فتنہ کا شکار ہو جاتے ہیں،

ان کے دلوں کا کھوٹ ابھر کر سامنے آجاتا ہے اور ان کی مخالفت میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔

۹۳۔ یعنی جو لوگ جہالت کی تاریکی میں نہیں رہتے بلکہ علم کی روشنی میں چلتے ہیں، وہ جب دیکھتے ہیں کہ فضا شکوک وشبہات سے مکدر ہو گئی ہے تو سمجھتے ہیں کہ یہ سب شیطان کی فتنہ پردازی ہے اور نبی کی دعوت برحق ہے۔ حق و باطل کی یہ کشمکش ان کے لئے غیر متوقع نہیں ہوتی، اس کشمکش کو دیکھ کر ان کے ایمان اور زیادہ پختہ ہو جاتے ہیں اور ان کے دل اللہ کے آگے جھک جاتے ہیں، کہ اس آزمائش کے پیچھے اس کی عظیم حکمت کارفرما ہے۔

۹۴۔ یعنی جو لوگ ہٹ دھرمی میں مبتلا ہیں وہ پیغمبر کی بات کسی دلیل سے ماننے والے نہیں۔ وہ اپنے انکار پر جمے رہیں گے اور ان کی آنکھیں اس وقت کھلیں گی جب وہ قیامت کو دیکھ لیں گے یا اس عذاب کو جو کفر کی پاداش میں ان پر آئے گا۔

محرومی کے دن سے مراد خیر سے محرومی کا دن ہے یعنی ہلاکت کا دن۔

۹۵۔ مراد قیامت کا دن ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ فَاُولٰٓئِكَ
لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾

۵۷ اور جنہوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا ان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا
لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ
وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸ اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ۹۶۔ پھر قتل کر دئے گئے یا مر گئے اللہ ان کو ضرور اچھا رزق دے گا ۹۷۔ اور یقیناً اللہ ہی بہترین رازق ہے۔

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ
حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾

۵۹ وہ انہیں ایسی جگہ داخل کرے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے ۹۸۔ بلاشبہ اللہ علم والا اور بردبار ہے۔ ۹۹۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ
ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾

۶۰ یہ ہے (ان لوگوں کا اجر) اور جو کوئی بدلہ لے ویسا ہی جیسا کہ اس کے ساتھ کیا گیا پھر اس پر زیادتی کی جائے تو اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا ۱۰۰۔ اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔ ۱۰۱۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ
فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾

۶۱ یہ اس لئے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں اور اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ ۱۰۲۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ
هُوَ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾

۶۲ نیز اس لئے بھی کہ اللہ ہی حق ہے اور وہ چیزیں باطل ہیں جن کو یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہیں ۱۰۳۔ اور اللہ ہی بلند مرتبہ اور بڑا ہے۔ ۱۰۴۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۡ فَتُصْبِحُ
الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۚ ﴿۶۳﴾

۶۳ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے تو زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ یقیناً اللہ بڑا باریک بیں اور خبر رکھنے والا ہے۔ ۱۰۵۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ
وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾

۶۴ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بلاشبہ اللہ بے نیاز اور خوبیوں والا ہے تعریف کا مستحق۔ ۱۰۶۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ
فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۭ وَيُمْسِكُ السَّمَاۗءَ اَنْ تَقَعَ عَلَي الْاَرْضِ
اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾

۶۵ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لئے مسخر کر دی ہیں ۱۰۷۔ اور کشتی کو، کہ سمندر میں اس کے حکم سے چلتی ہے۔ وہ آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ زمین پر گر نہ پڑے مگر اس کے حکم سے۔ یقیناً اللہ لوگوں کیلئے بڑی شفقت رکھنے والا اور بڑی رحمت والا ہے۔ ۱۰۸۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ
اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾

۶۶ وہی ہے جس نے تم کو زندگی بخشی پھر وہی تم کو موت دیتا ہے اور وہی تم کو پھر زندہ کرے گا۔ درحقیقت انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ ۱۰۹۔

۹۶۔ ہجرت اسلام میں وہی معتبر ہے جو اللہ کی راہ میں ہو، یعنی جو خالصۃً اللہ کے لئے اور اس کے دین کے تقاضوں کو پورا کرنے کی غرض سے کی گئی ہو۔ حدیث میں آتا ہے:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِا النِّیَۃِ و اِنَّمَا لامْرِیٴ مَانَوىٰ فَمَنْ کَانَتْ ھجرتُہٗ اِلیٰ اللہِ وَ رَسُوْلِہٖ فھجرتُہٗ الی اللہِ ورسولِہٖ وَمَنْ کَانت ھِجرتُہٗ اِلیٰ دُنْیَایُصِیْبُھَااَو امراۃٍیَتَزوجھافَھجرتُہٗالیٰ مَاھَاجَرَ اِلَیْہِ۔ (بخاری کتاب الایمان والنذر)

''اعمال نیتوں پر موقوف ہیں۔آدمی کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔تو جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہے، اور جس کی ہجرت دنیا کے حصول یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے ہو تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہے جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔''

(مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ نساء نوٹ ۱۷۷)

۹۷۔ مراد آخرت کا رزق ہے۔

۹۸۔ مراد جنت ہے۔

۹۹۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اللہ جانتا ہے کون لوگ اس انعام کے مستحق ہیں؟ اور وہ ان کے ساتھ نہایت عالی ظرفی کے ساتھ معاملہ کرے گا۔

۱۰۰۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ان کے لئے آخرت میں انعام ہے۔رہی ان کو مظلومانہ زندگی تو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ان مظلوموں کی مدد فرمائے گا۔

ہجرت کے بعد مشرکین مکہ نے مدینہ کے مسلمانوں کے خلاف جارحانہ کارروائی شروع کر دی تھی جیسا کہ آیت ۳۹ سے واضح ہے۔مدینہ کے باہر سفر کرنے والے مسلمانوں پر ان کے حملوں کا خطرہ بھی بڑھتا جا رہا تھا۔اس موقع پر مسلمانوں کو اس آیت کے ذریعہ ہدایت دی گئی کہ زیادتی کے جواب میں وہ ویسی ہی زیادتی کر سکتے ہیں اور اگر اس کے بعد بھی زیادتی کا سلسلہ نہیں رکا تو اللہ تعالیٰ مظلوموں کی تائید اپنی نصرت خاص سے کرے گا۔چنانچہ جب مشرکین مکہ کی جارحانہ کارروائیوں کا سلسلہ نہیں رکا اور انہوں نے مظلوم اہل ایمان کے خلاف جنگی اقدام کیا، تو بدر کے معرکہ میں اہل ایمان کے لئے نصرت الٰہی نازل ہوئی۔

۱۰۱۔ یہ مظلوم اہل ایمان کیلئے تسلی ہے کہ اللہ ان کے قصوروں کو معاف کر دے گا اور انہیں بخش دے گا۔

۱۰۲۔ یعنی جو ہستی رات اور دن کے ہیر پھیر پر قادر ہے وہ یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ ظلم کی گھٹاؤں کو ختم کر کے انصاف کی ہوائیں چلائے۔پھر وہ اپنے مظلوم اور وفادار بندوں کی مدد کیوں نہیں کرے گا جب کہ وہ سب کچھ سن رہا ہے اور دیکھ بھی رہا ہے۔

۱۰۳۔ یعنی مشرکین جن معبودوں کو پکارتے ہیں وہ باطل ہیں، کسی کی مدد کرنے پر ہرگز قادر نہیں۔لیکن اللہ حقیقی معبود ہے اور وہ مدد کرنے پر یقیناً قادر ہے، پھر وہ کفر و اسلام کی اس کشمکش میں اہل ایمان کی مدد کیوں نہیں کرے گا۔

۱۰۴۔ یہاں اللہ کی دو صفتیں علی اور کبیر بیان ہوئی ہیں۔علی کی صفت اس کے مرتبہ کو ظاہر کرتی ہے اور کبیر کی صفت اس کی قدرت اور اقتدار کی عظمت کو۔

شرک کرنے والے اللہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں، جو اس کے شان کے بھی خلاف ہوتی ہیں اور اس کے اقتدار کے بھی منافی۔بالفاظ دیگر وہ اللہ کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ اس کے علی اور کبیر ہونے کی نفی کرتے ہیں۔جب کہ اللہ کو ماننا وہی معتبر ہے جس سے ان صفات کی نفی نہ ہوتی ہو جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔

۱۰۵۔ یعنی لوگ بارش اور زمین کے سرسبز ہونے کے منظر کو دیکھتے ہیں مگر غور نہیں کرتے، اگر غور کرتے تو خدا کی صحیح معرفت (پہچان) انہیں حاصل ہو جاتی۔خشک زمین کا بارش کے چھینٹے گرتے ہی سرسبز ہو جانا اس بات کی علامت ہے کہ یہ سب ایک ایسی ہستی کی کارفرمائی ہے جو نہایت لطیف تدبیر کرنے والی اور حالات سے باخبر

رہنے والی ہے۔لہٰذا خدا کے بارے میں اس تصور کے لئے کوئی گنجائش نہیں کہ اس نے دنیا کو پیدا تو کیا لیکن اب اس کی دنیا میں کیا ہو رہا ہے اس کی نہ اسے خبر ہے اور نہ اس سے اسے کوئی سروکار۔

۱۰۶؎ جو ہستی پوری کائنات کی مالک ہو وہ کب کسی چیز کی محتاج ہو سکتی ہے۔اس لئے اللہ کی یہ صفت کہ وہ ہر قسم کی ضرورتوں سے بے نیاز ہے، ایک واضح حقیقت ہے، اور یہ حقیقت بالکل آشکارا ہے کہ وہ کمالات اور خوبیوں سے متصف اور تعریف کا مستحق ہے۔

۱۰۷؎ یعنی تمہاری خدمت میں لگا دی ہیں۔

۱۰۸؎ اجرام سماوی کا فضائے بسیط میں معلق رہنا، اور آسمان کا چھت کی صورت میں قائم رہنا، اس طور سے کہ کبھی اس کا کوئی ٹکڑا زمین پر نہ گرے۔ کیا انسان میں یہ یقین پیدا نہیں کرتا کہ کائنات کا رب انسان کے حق میں بڑا شفیق اور مہربان ہے!

۱۰۹؎ زندگی بہت بڑی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو بخشی ہے۔اور دوسری زندگی اصلاً مکمل نعمت ہے، بشرطیکہ انسان اس نعمت کا قدر شناس ہو اور اپنی ذمہ داری کو ادا کرے۔رہی موت تو وہ عارضی زندگی اور ابدی زندگی کے درمیان ایک عبوری مرحلہ ہے۔مگر اس حقیقت کو نظر انداز کر کے انسان زندگی کی نعمت کو ضائع کر دیتا ہے اور اپنے رب کا ناشکرا بنتا ہے۔

❑❑❑❑❑❑

ہر امت کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کیا تھا جس
پر وہ چل رہی ہیں۔ لہٰذا اس معاملہ میں وہ تم سے نہ جھگڑیں ۔
تم اپنے رب کی طرف دعوت دو۔ یقیناً تم سیدھی راہ پر ہو۔
اور اگر وہ تم سے جھگڑیں تو کہہ دو اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کر
رہے ہو۔ اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان اس بات کا
فیصلہ کر دے گا جس میں تم اختلاف کر رہے ہو۔ (القرآن)

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۶۷﴾

۶۷ ہر امت کیلئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کیا تھا جس پر وہ چل رہی ہیں ۱۱۰۔ لہٰذا اس معاملہ میں وہ تم سے نہ جھگڑیں ۱۱۱۔ تم اپنے رب کی طرف دعوت دو ۱۱۲۔ یقیناً تم سیدھی راہ پر ہو۔ ۱۱۳

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾

۶۸ اور اگر وہ تم سے جھگڑیں تو کہہ دو اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾

۶۹ اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان اس بات کا فیصلہ کر دے گا جس میں تم اختلاف کر رہے ہو۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾

۷۰ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اللہ اس کو جانتا ہے۔ یہ سب ایک کتاب میں درج ہے ۱۱۴۔ بلاشبہہ یہ اللہ کے لئے نہایت آسان ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾

۷۱ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جن کے لئے اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور نہ ان کے بارے میں ان کو کوئی علم ہی ہے ۱۱۵۔ ان ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۭ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۭ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ اَلنَّارُ ۭ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾

۷۲ اور جب ان کو ہماری روشن آیتیں سنائی جاتی ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ ان کے چہروں سے ناگواری ظاہر ہو رہی ہے ۱۱۶۔ گویا وہ ان لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں گے جو ہماری آیتیں ان کو سناتے ہیں۔ کہو میں تمہیں بتاؤں کہ اس سے بھی بدتر چیز کیا ہے؟ آگ جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کر رکھا ہے ۱۱۷۔ اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـــًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾

۷۳ لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے غور سے سنو! اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے خواہ وہ سب اس کے لئے اکٹھا ہی کیوں نہ ہو جائیں ۱۱۸۔ اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو وہ اس سے چھڑا بھی نہیں سکتے ۱۱۹۔ طالب بھی کمزور اور مطلوب بھی کمزور۔ ۱۲۰

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾

۷۴ انہوں نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے۔ بلاشبہ وہ قوت والا اور غالب ہے۔ ۱۲۱

۱۱۰؎ اس سورہ میں حج کے جو مناسک بیان کئے گئے اُن پر بعض گوشوں سے اور خاص طور سے مدینہ کے یہود کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا ہوگا، کہ اگر یہ طریقۂ عبادت اللہ کی طرف سے مقرر ہے تو دوسرے نبیوں کی امتوں میں، اللہ کی عبادت کے دوسرے طریقے کس طرح رائج ہو گئے۔ مثلاً یہود کی شریعت میں قربانی کا طریقہ تو ہے لیکن اونٹ کی قربانی کو شعائر اللہ میں سے نہیں قرار دیا گیا۔ اسی طرح قربانی کیلئے حج کے ایام مخصوص نہیں کئے گئے ہیں۔ یا یہ کہ یہود کے یہاں سبت منانے کا حکم ہے لیکن قرآن کی شریعت میں یہ حکم نہیں دیا گیا ہے۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے یہاں فرمایا گیا کہ ہم نے ہر امت کے لئے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کیا تھا جس پر وہ چلتی رہی۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کے طور طریقے مقرر کرنے میں حالات کے لحاظ سے فرق رہا ہے۔ اب اگر اللہ کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ آخری نبی کی امت کے لئے ایک مخصوص طریقۂ عبادت مقرر کر دیا جائے تو اس پر کسی کو اعتراض کا کیا حق ہے؟ کیا اللہ کی عبادت کا طریقہ مقرر کرنے میں لوگوں کی مرضی کا دخل ہونا چاہئے؟ یا اللہ کو یہ حق ہے کہ وہ جو طریقہ چاہے مقرر کر دے؟

۱۱۱؎ یعنی یہ اصولی حقیقت ان لوگوں کے سامنے پیش کرنا کافی ہے۔ اس مسئلہ پر مزید بحث کی ضرورت نہیں۔

۱۱۲؎ یعنی اللہ کی عبادت کے طور طریقوں میں اختلاف کے مسئلہ پر بحث کو طول دینے کے بجائے اصل دعوت کو پیش کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

۱۱۳؎ یعنی اے پیغمبر جس طریقۂ عبادت کو تم اختیار کئے ہوئے ہو وہ اس وحی کے مطابق ہے جو تم پر کی گئی ہے۔ اس لئے تم ہدایت پر ہو اور ہدایت کی یہی راہ ہے جو سیدھی اللہ تک پہنچتی ہے۔

۱۱۴؎ یہ شرک کی تردید کے لئے جو آگے کی جا رہی ہے تمہید ہے، کہ اللہ جس کو کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم ہے، جس نے کائنات کی تمام موجودات اور واقعات کے ریکارڈ کو محفوظ کرنے کا سامان کیا ہے، اس کے علم میں تو یہ بات نہیں ہے کہ کہیں کسی اور خدا کا وجود ہے۔ اگر کوئی اور خدا یا دیوی دیوتا ہوتے تو اس کو اس کی خبر کیسے نہیں ہوتی؟

۱۱۵؎ یعنی اللہ کے سوا کسی اور کے مستحق عبادت ہونے کے بارے میں، نہ وحی الٰہی کی کوئی حجت موجود ہے نہ کوئی عقلی وفطری دلیل، جس کو علم سے تعبیر کیا جا سکے۔

۱۱۶؎ چونکہ اللہ کی آیتوں میں خالصۃً توحید کا ذکر ہوتا ہے اور ان کے معبودوں کو باطل قرار دیا جاتا ہے، اس لئے آیتوں کو سن کر ان کے چہروں پر ناگواری کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں۔

۱۱۷؎ یعنی اس ناگواری سے بھی بدتر چیز۔ مطلب یہ ہے کہ ناگواری کی بدترین کیفیت وہ ہوگی جو تم دوزخ میں محسوس کرو گے۔

۱۱۸؎ مکھی نہایت حقیر جاندار ہے، جب مشرکین کے خدا سب مل کر بھی اتنی حقیر چیز پیدا نہیں کر سکتے، تو کیا پیدا کر سکتے ہیں؟ اور جب کچھ بھی نہیں پیدا کر سکتے تو خدا کیوں کر ہوئے؟

۱۱۹؎ مشرکین مکہ اپنے بتوں پر شہد اور زعفران لیپ دیتے تھے، اور مشرکین ہند ان کے سامنے مٹھائی پیش کرتے ہیں۔ جب کہ اپنے خداؤں کے سامنے کھانا پیش کرنا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ ان خداؤں کی بے بسی کا حال یہ ہے کہ اگر مکھی ان کے کھانوں میں سے کچھ اڑا لے جاتی ہے تو اس کو واپس نہیں لے سکتے۔

۱۲۰؎ یعنی پرستار بھی کمزور اور معبود بھی کمزور۔ ایسے معبودوں کی پرستش سے ان کے پرستاروں کو کیا فائدہ پہنچنے والا ہے؟

اس عام فہم مثال کے ذریعہ شرک اور بت پرستی کی تردید اتنے مؤثر انداز میں کی گئی ہے، کہ اس کے باطل ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ لیکن انسان کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ اندھی عقیدت میں مبتلا ہو جاتا ہے، پھر وہ ہوش وحواس سے کام لینے کیلئے آمادہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ

بقیہ صفحہ ۱۱۳۰ پر

ٱللَّهُ يَصْطَفِى مِنَ ٱلْمَلَٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ ٱلنَّاسِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌۢ بَصِيرٌ ﴿٧٥﴾

٧٥ اللہ فرشتوں میں سے بھی پیغامبر منتخب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی ۱۲۲؎۔ وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ ۱۲۳؎

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۗ وَإِلَى ٱللَّهِ تُرْجَعُ ٱلْأُمُورُ ﴿٧٦﴾

٧٦ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ اور سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ ۱۲۴؎

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱرْكَعُوا۟ وَٱسْجُدُوا۟ وَٱعْبُدُوا۟ رَبَّكُمْ وَٱفْعَلُوا۟ ٱلْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۩ ﴿٧٧﴾

٧٧ اے ایمان والو! ۱۲۵؎ رکوع کرو، سجدہ کرو ۱۲۶؎، اپنے رب کی عبادت کرو ۱۲۷؎، اور بھلائی کے کام کرو ۱۲۸؎، تا کہ تم کامیاب ہو۔

وَجَٰهِدُوا۟ فِى ٱللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِۦ ۚ هُوَ ٱجْتَبَىٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى ٱلدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَٰهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّىٰكُمُ ٱلْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِى هَٰذَا لِيَكُونَ ٱلرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا۟ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَٱعْتَصِمُوا۟ بِٱللَّهِ هُوَ مَوْلَىٰكُمْ ۖ فَنِعْمَ ٱلْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ ٱلنَّصِيرُ ﴿٧٨﴾

٧٨ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے ۱۲۹؎۔ اس نے تمہیں چن لیا ہے ۱۳۰؎۔ اور تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ۱۳۱؎۔ تمہارے باپ ابراہیم کا دین ۱۳۲؎ اس نے (اللہ نے) تمہارا نام پہلے بھی مسلم رکھا اور اس (قرآن) میں بھی ۱۳۳؎۔ تا کہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو ۱۳۴؎۔ پس نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ کو مضبوط پکڑ لو ۱۳۵؎۔ وہی تمہارا مولیٰ ہے۔ تو کیا ہی اچھا مولیٰ ہے اور کیا ہی اچھا مددگار!

۱۲۲۔ مشرکین رسالت کے قائل نہیں ہوتے، البتہ خدا کے لئے بیٹے بیٹیوں یا اوتار کے قائل ہوتے ہیں۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ اللہ اپنے خاص بندوں کو جو اونچے سے اونچا مقام عطا کرتا ہے وہ کیا ہے۔ فرمایا وہ مقام رسول (پیغامبر) ہونے کا ہے جو اللہ کا بندہ ہی ہوتا ہے نہ کہ خدا۔

اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ انسانوں کی ہدایت کے لئے ان ہی میں سے ایسے افراد کو منتخب کرتا ہے، جو اس کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے کی گراں بار ذمہ داری کو اٹھانے کے اہل ہوتے ہیں۔ اور ان رسولوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے وہ فرشتوں میں سے پیغامبر منتخب کرتا ہے جو اللہ کا پیغام اس کے رسولوں پر وحی کرتے ہیں۔ ٹھیک اسی طریقہ پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رسالت کے لئے انتخاب ہوا ہے۔

۱۲۳۔ یعنی یہ پیغمبر اپنی ذمہ داریوں کو جس طرح ادا کرتے ہیں اس سے وہ بے خبر نہیں رہتا، بلکہ وہ ان کی ہر بات سنتا اور ان کے ہر کام کو دیکھتا ہے۔

۱۲۴۔ یعنی رسول ہونے کی بنا پر کسی کو بھی خدا کی پوزیشن حاصل نہیں ہوتی، کہ لوگ اس کو مرجع قرار دے کر حاجت روائی کے لئے اس کو پکارنے لگیں۔ مرجع تو صرف اللہ ہی ہے اسی کے حضور سارے معاملات پیش ہوتے ہیں اور وہی فیصلے صادر کرتا ہے۔

۱۲۵۔ یہ اختتامی آیتیں ہیں جن میں خطاب کا رخ اہل ایمان کی طرف ہو گیا ہے۔

۱۲۶۔ رکوع اور سجدہ سے تعبیر نماز ہے۔

۱۲۷۔ یعنی عبادت خواہ نماز کی شکل میں ہو، حج اور قربانی کی شکل میں یا کسی اور شکل میں اللہ ہی کے لئے مخصوص ہونی چاہئے جو تمہارا حقیقی رب ہے۔

۱۲۸۔ بھلائی (خیر) کے کاموں میں وہ تمام کام شامل ہیں جو اللہ کی اطاعت پر مبنی ہوں اور جن کا فیض بندگانِ خدا کو پہنچتا ہو۔

۱۲۹۔ یہاں جہاد سے مراد وہ جہاد ہے جس میں قوت استعمال کی جائے اور مخالف طاقت کا زور توڑا جائے۔ ''اللہ کی راہ میں'' کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مقصد اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا ہو اور ان لوگوں سے جہاد کیا جائے جنہوں نے اپنے شرک اور کفر کی بنا پر اللہ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دی ہوں، تاکہ لوگ اس کے دین کو قبول نہ کریں یا اس کے اہم ترین تقاضوں کو پورا نہ کریں۔ اس سورہ میں گزر چکا کہ مشرکینِ مکہ نے اسلام کی راہ میں کیسی کیسی رکاوٹیں کھڑی کر دی تھیں اور مسلمانوں کے خلاف کس طرح طاقت کا استعمال کر رہے تھے۔ اسی پس منظر میں اہل ایمان کو نہ صرف جہاد کرنے بلکہ حقِ جہاد ادا کرنے یعنی پوری طرح تن من دھن کی بازی لگانے کا حکم دیا گیا۔ اور جہاد کی یہ اصولی ہدایت اپنے شرائط کے ساتھ قیامت تک کے لئے ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ یُقَاتِلُوْنَ عَلَی الْحَقِّ ظَاهِرِیْنَ الی یوم القیامة۔ (مسلم کتاب الایمان)

''میری امت کا ایک گروہ حق پر ہو کر قیامت تک لڑتا رہے گا اور غالب ہو گا۔''

۱۳۰۔ یعنی تمہیں یہ سعادت بخشی کہ اس کے دین کے علمبردار بن جاؤ اور لوگوں کے لئے مینارۂ ہدایت بنو۔

واضح ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا گروہ جو ان آیات کا مخاطب اول تھا اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ گروہ تھا۔ اس لئے مسلمانوں کے جو فرقے چند صحابہ کو مستثنیٰ کر کے اس پورے گروہ کو مطعون کرتے ہیں، وہ ناقابل اعتبار روایتوں اور مسخ شدہ واقعات کی بنا پر جو تاریخ کی کتابوں میں درج ہو گئے ہیں، قرآن کی تصریحات سے انحراف کرتے ہیں۔ یہ لوگ اگر صاف ذہن سے قرآن کا مطالعہ کریں اور اور روایتوں کے مقابلہ میں قرآن کو مقدم رکھیں تو اس گروہ کے سچے قدرداں بن جائیں جس کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا تھا۔

۱۳۱۔ یعنی اس شریعت میں وہ سخت احکام نہیں ہیں جو اس سے پہلے کی شریعتوں میں رہے ہیں۔ مثلاً سبت منانے کا حکم جو یہود کو دیا گیا تھا بڑا ہی سخت تھا۔ یہ سخت احکام انہیں ان کی سرکشی کی بنا پر دئے گئے تھے۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شریعت دی گئی ہے وہ کسی مخصوص قوم یا دور کے لئے نہیں ہے، بلکہ پوری امت مسلمہ کیلئے ہے جو اپنی ترکیب میں آفاقی ہے اور قیامت تک کے لئے ہے۔ اس لئے اس کو آسان بنا دیا گیا ہے اور اس میں زیادہ رخصتیں رکھی گئی ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی ایسا حکم دیا ہی نہیں گیا ہے جس کی بجا آوری اہل ایمان کے لئے مشکل نہ ہو۔ اوپر جہاد کا حکم گزر چکا جو جان اور مال کی قربانی کا مطالبہ ہے

اس لئے آیت کا صحیح مفہوم وہی ہوسکتا ہے جو قرآن کی دوسری تصریحات کے مطابق ہو۔

۱۳۲؎ یعنی یہ وہی دینِ توحید ہے جو ابراہیم کا دین تھا، نیز یہ شریعت بھی بنیادی طور سے وہی ہے جو ابراہیم کو دی گئی تھی۔ یعنی سادہ شریعت الحنیفیۃ السمحۃ اور جس میں حج اور اس کے مناسک بھی شامل ہیں۔

۱۳۳؎ یعنی اللہ نے تمہارا۔۔۔۔۔۔ ایمان لانے والوں کا۔۔۔۔۔۔ نام سابقہ امتوں میں بھی ''مسلم'' ہی رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی تمہارا یہی نام ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں کہ یہ نام حضرت ابراہیم کا رکھا ہوا ہے یا ان سے پہلے یہ نام نہیں رکھا گیا تھا۔ حضرت نوح نے جو حضرت ابراہیم سے بہت پہلے گذرے ہیں اپنے مسلم ہونے کا اعلان کیا تھا۔ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ''اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلم بن کر رہوں۔'' (سورۂ یونس:۷۲)

یہ نام ان صفات کو ظاہر کرتا ہے جو اس کے معنیٰ میں مضمر ہیں۔ یعنی وہ جس نے اسلام کو قبول کر کے اپنے کو اللہ کے حوالہ کیا ہو اور اس کا فرمانبردار ہو۔

اس کے بعد مسلمانوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کے رکھے ہوئے نام کی جگہ، اپنا کوئی اور نام رکھیں یا اس پر کسی اور نام کا اضافہ کریں۔ مگر مسلمانوں میں جب فرقہ بندیاں ہوگئیں تو ہر فرقہ نے اپنا ایک الگ نام رکھا۔ اور آج تو مسلمان عام طور سے اپنے نام کے ساتھ کوئی نہ کوئی دم چھلا لگا دیتے ہیں جو ان کے مسلک وغیرہ کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کی اصلاح بہت ضروری ہے۔ اپنے کو صرف مسلم کہنے پر اکتفاء کرنا چاہئے جو اللہ کا رکھا ہوا نام ہے۔

۱۳۴؎ یعنی ان خصوصیات کی حامل امت بنا کر تمہیں اس لئے کھڑا کیا گیا ہے، تاکہ تم اس دین کی لوگوں کے سامنے گواہی دو جس کی گواہی تمہارے سامنے دینے کے لئے رسول کو بھیجا گیا ہے۔

یہ حکم امت مسلمہ پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ دنیا کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرے۔ اور اس کے لئے اپنے تمام ممکنہ وسائل کو روبہ کار لائے۔ دعوت وتبلیغ اور اشاعت دین وہ اہم ترین فریضہ ہے، جس کی انجام دہی کے لئے یہ امت برپا کی گئی ہے۔ مگر آج مسلمانوں میں اس کا احساس بہت کم پایا جاتا ہے اس لئے وہ محض ایک قوم بن کر رہ گئے ہیں۔ ایسے افراد بہت کم ہیں جن کو شہادت دین کی فکر ہو اور جو غیر مسلموں کے سامنے دین کی دعوت پیش کرتے ہوں۔

۱۳۵؎ اللہ کو مضبوط پکڑنے کا مطلب اللہ سے تعلق کو مضبوط کرنا ہے، اور تعلق باللہ اس کی صفات کے شعور، اس کی عبادت واطاعت، اس سے محبت اور اس پر توکل کرنے سے مضبوط ہوتا ہے۔

❑❑❑❑❑❑

بقیہ صفحہ ۱۱۲۷ سے آگے

موجودہ دور میں بھی جب کہ ''عقل'' کی پرواز آسمانوں میں ہے، انسان اپنے ربِّ حقیقی کو پا نہیں سکا ہے۔ اور کتنی ہی قومیں ہیں جنہوں نے اینٹ پتھر کو خدا بنالیا ہے۔

۱۲۱؎ اللہ زبردست طاقت والا اور سب پر غالب ہے۔ جس شخص کے ذہن میں اللہ کی عظمت کا یہ تصور ہو وہ کسی اور کے خدا ہونے کا قائل ہو ہی نہیں سکتا۔ کیوں کہ اللہ کے سوا نہ کوئی طاقتور ہے اور نہ غالب۔ شرک کرنے والے اس لئے متعدد خداؤں کے قائل ہوتے ہیں، کہ ان کا تصورِ خدا صحیح نہیں ہوتا۔ وہ اللہ کی عظمت پر یقین نہیں رکھتے بلکہ اسے فروتر خیال کرتے ہیں۔

۲۳۔ المؤمنون

نام سورہ کا آغاز اس بات سے ہوا ہے کہ مؤمنوں نے فلاح پائی۔اس مناسبت سے اس کا نام ''المؤمنون'' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکہ کے وسطی دور میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون یہ واضح کرنا ہے کہ اللہ کے نزدیک کامیاب ہونے والے کون لوگ ہیں اور ناکام ہونے والے کون، پھر جن عقائد کے قبول کرنے پر کامیابی کا دارومدار ہے ان کا برحق ہونا بدلائل ثابت کیا گیا ہے۔اور ان شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے جو اس سلسلہ میں پیش کئے جارہے تھے۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۱۱ میں اہل ایمان کو کامیابی کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔اور اس کامیابی کے لئے جو اوصاف ضروری ہیں ان کو بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۱۲ تا ۲۲ میں اللہ کی ربوبیت پر استدلال کرتے ہوئے دوسری زندگی اور جزا وسزا کو لازم قرار دیا گیا ہے۔

آیت ۲۳ تا ۵۰ میں رسولوں کی دعوت کو جھٹلانے والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۵۱ تا ۵۶ میں اس حقیقت کا اعلان کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ایک ہی تھا۔لیکن ان کے پیروؤں نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔اب وہ اپنی اس غلط مذہبیت کے باوجود محض اس بنا پر کہ اللہ نے ان کو دنیا کی دولت دے رکھی ہے، اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ اللہ ان سے خوش ہے، اسی لئے ان پر دولت کی بارش کر رہا ہے۔

آیت ۵۷ تا ۶۱ میں دنیا پرستوں کے مقابلہ میں بھلائی کی طرف لپکنے والوں کے اوصاف بیان ہوئے ہیں۔

آیت ۶۲ تا ۶۷ میں لوگوں کو تنبیہ ہے جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، کہ ایک دن آئے گا جب وہ اپنے کئے پر پچھتائیں گے۔

آیت ۶۸ تا ۹۲ میں منکرین کے بعض شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔

آیت ۹۳ تا ۹۸ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا کی تلقین، کہ اے رب! ان کافروں پر اگر میری موجودگی میں عذاب آگیا تو اس سے مجھے محفوظ رکھ۔

آیت ۹۹ تا ۱۱۷ میں منکرین کا موت کے وقت اور پھر قیامت کے دن جو حال ہوگا اس کی تصویر، اور اس بات پر اختتام کہ کافر کبھی فلاح پانے والے نہیں ہیں۔

آیت ۱۱۸/ اختتامی آیت ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے واسطہ سے ہر اس شخص کو جو ایمان لائے، یہ ہدایت ہے کہ وہ اللہ سے مغفرت اور رحمت کی دعا کرے۔

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾

اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ﴿۶﴾

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ﴿۹﴾

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾

الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ﴿۱۲﴾

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۖ﴿۱۳﴾

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۤ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ؕ﴿۱۵﴾

۲۳۔ سُورۃُ المؤمنون

آیات ۱۱۸

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ یقیناً کامیاب ہوئے ایمان لانے والے۔ ۱؎

۲ جو اپنی نماز میں خشوع (عاجزی) اختیار کرتے ہیں۔ ۲؎

۳ جو لغو باتوں سے رُخ پھیرتے ہیں۔ ۳؎

۴ جو زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں۔ ۴؎

۵ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ۵؎

۶ سوائے اپنے بیویوں کے یا ان باندیوں کے جو ان کی ملکیت میں آ گئی ہوں، تو ان کے بارے میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ ۶؎

۷ اور جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں تو وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ ۷؎

۸ جو اپنی امانتوں ۸؎ ، اور اپنے عہد ۹؎ کا پاس رکھتے ہیں۔

۹ اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ۱۰؎

۱۰ یہی لوگ وارث ہونے والے ہیں۔

۱۱ جو فردوس کے وارث ہوں گے ۱۱؎۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

۱۲ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (نچوڑ) سے پیدا کیا۔ ۱۲؎

۱۳ پھر اسے نطفہ بنا کر ایک محفوظ جگہ میں رکھا۔ ۱۳؎

۱۴ پھر نطفہ کو جمے ہوئے خون کی شکل دی پھر جمے ہوئے خون کو گوشت کا ٹکڑا بنایا پھر گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیوں کی شکل دی پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا ۱۴؎۔ پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کر کھڑا کیا ۱۵؎۔ تو بڑا ہی بابرکت ہے اللہ بہترین پیدا کرنے والا۔ ۱۶؎

۱۵ پھر اس کے بعد تم کو لازماً مرنا ہے۔ ۱۷؎

۱۔ کامیابی سے مراد آخرت کی کامیابی ہے جیسا کہ آیت ۱۱ سے واضح ہے۔ اور قرآن کی نظر میں اصل کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے کیوں کہ وہ انعام کے طور پر ہوگی اور ہمیشہ کے لئے ہوگی۔

اس کامیابی کے لئے شرط اول ایمان ہے، پھر وہ اوصاف جو آگے بیان ہوئے ہیں۔ واضح ہوا کہ آخرت کی کامیابی اوصاف (Merit) کی بنیاد پر ہوگی نہ کہ اسلام سے رسمی تعلق کی بنیاد پر۔

۲۔ خشوع کے معنیٰ صاحب جلال ہستی کے تصور سے لرزنے، اس کے آگے پست ہونے اور عاجزی اختیار کرنے کے ہیں۔ نماز کی روح یہی ہے کہ بندہ پر اللہ کا خوف طاری ہو، وہ دبی آواز میں اس سے مناجات کرے اور عاجزی و بندگی کا اظہار کرے۔ کامیابی کی ضمانت ان ہی ایمان والوں کو دی گئی ہے جو خشوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔

خشوع کا تعلق اصلاً دل سے ہے: **اَلَمْ یَانِ لِلَّذِینَ آمنوا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ** ۔ (حدید۔۱۶)

''کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے آگے جھک جائیں۔''

اور جب دل میں خشوع ہو تو یہ کیفیت جسم پر بھی طاری ہوگی۔ یعنی نگاہیں پست ہونگی، آواز دبی ہوئی ہوگی، توجہ اللہ ہی کی طرف رہے گی اور سکون و اطمینان کے ساتھ پُروقار طریقہ پر نماز ادا کی جائے گی۔ قرآن میں نماز کے جو اثرات و ثمرات بیان کئے گئے ہیں وہ ایسی ہی نماز کے اثرات و ثمرات ہیں۔

۳۔ لغو باتوں سے بچنا نماز کا فیضان ہے اس لئے اس کا ذکر نماز کے متصلا بعد ہوا۔ لغو کے معنیٰ ہیں بے مقصد اور فضول کے ہیں۔ اس کا اطلاق حرام اور منکر کاموں ہی پر نہیں ہوتا بلکہ ان کاموں پر بھی ہوتا ہے جن کا کوئی حقیقی فائدہ یا مصلحت نہ ہو۔ موجودہ دور میں لغو کی ترقی یافتہ شکلوں میں بیہودہ گانے، خیال آرائی کے مشاعرے، قہقہوں کے پروگرام، فالتو قصے اور افسانے، شطرنج اور کیرم کے کھیل اور میچ اور فٹ بال، کرکٹ وغیرہ کے وہ بڑے بڑے مظاہرے شامل ہیں جو وقت اور روپئے کی بربادی کا کھلا سامان ہیں اور جو ایسی ذہنیت پیدا کرتے ہیں کہ آدمی کھیل کود ہی میں لگا رہے۔ اور آج کل ٹی وی پر ایک سے ایک بیہودہ مناظر پیش کئے جاتے ہیں۔ مگر مخلص مؤمن بڑے شریف النفس ہوتے ہیں وہ ایسی چیزوں سے دلچسپی لینا تو درکنار ان پر ایک نگاہ غلط ڈالنا بھی پسند نہیں کرتے۔

۴۔ مکی دور میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری تھی۔ مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انعام نوٹ ۲۵۸۔

بعض مفسرین نے **للزکوٰۃ فاعلون** کا مطلب یہ لیا ہے کہ وہ تزکیہ کا کام کرتے رہتے ہیں لیکن یہ سراسر تکلف ہے۔

زکوٰۃ اپنے مخصوص معنیٰ میں قرآن کا اصطلاحی لفظ ہے اسلئے اس کو تزکیہ کے معنیٰ میں لینا صحیح نہیں۔ اور اگر زکوٰۃ کے ساتھ فاعلون کا لفظ استعمال ہوا ہے تو دوسری جگہ **فعل الخیرات** (بھلائی کے کام۔ سورۂ انبیاء ۔ ۷۳) کی ترکیب بھی استعمال ہوئی ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ زکوٰۃ کو یہاں مصدری معنیٰ (تزکیہ کے معنیٰ) میں لیا جائے۔

۵۔ یعنی قضائے شہوت کے حرام طریقوں سے بچتے ہیں اور ستر (پوشیدہ اعضاء کو چھپانا) کے حدود کا لحاظ کرتے ہیں۔

۶۔ اس آیت میں جنسی تعلق کے جواز کی دو صورتیں بتائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی اپنی بیوی سے جنسی تعلق قائم کرے دوسرے یہ کہ وہ ان لونڈیوں سے جنسی تعلق قائم کرے جو اس کی ملکیت میں ہوں۔

آدمی کی بیوی وہ ہے جو اس سے عقد نکاح میں ہو۔ رہی لونڈی تو اس کیلئے مالک ہونا شرط ہے۔ یعنی ایک شخص اسی لونڈی سے جنسی تعلق قائم کرسکتا ہے جس کا وہ واقعی مالک ہے۔ غلامی کا مسئلہ اس زمانہ میں نہ صرف یہ کہ ایک بین الاقوامی مسئلہ تھا، بلکہ خود غلاموں اور لونڈیوں کی بہبود کا مسئلہ بھی متضاد تقاضے رکھتا تھا۔ جو غلام اور لونڈیاں پہلے سے چلی آرہی تھیں ان کو اگر غلام اور لونڈیاں تسلیم، (Recognize) ہی نہیں کیا جاتا یا قانون کے ذریعہ سب کو بیک وقت آزاد کردیا جاتا تو اس سے غلاموں اور لونڈیوں کو بظاہر راحت ہوسکتی تھی۔ لیکن اس وقت کے حالات میں ان کیلئے معاش کا مسئلہ اور لونڈیوں کیلئے خاص طور سے رہائش اور کفالت کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کرسکتا تھا جس کے نتیجہ میں وہ بدکاری کا شکار ہوسکتی تھیں۔ اس لئے اسلام نے مکی دور میں ان کی واقعی حیثیت کو تسلیم کرتے

ہوئے لونڈیوں کے مالکوں کیلئے ان سے جنسی تعلق قائم کرنا جائز قرار دیا، البتہ غلامی سے ان کی گردنیں چھڑانے کو بہت بڑی نیکی قرار دیا نیز اس کیلئے مناسب تدبیریں بھی عمل میں لائیں۔

لونڈیوں سے جنسی تعلق کے مسئلہ کو اسی پس منظر میں دیکھنا چاہئے۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاف صاف اعلان ہے کہ اہل ایمان اپنی ملکیت کی لونڈیوں سے جنسی تعلق قائم کرنے کے معاملہ میں قابل ملامت نہیں ہیں۔ پھر کسی کو کیا حق ہے کہ وہ انہیں ملامت کرے؟

۷۔ یعنی اپنی بیوی یا لونڈی ہی سے جنسی تعلق قائم کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے علاوہ کسی اور سے جنسی تعلق قائم کرنا چاہے گا تو ایسا شخص فطری اور شرعی حدود سے تجاوز کرنے والا ہوگا۔ جنسی تعلق بیوی یا اپنی ملکیت کی باندی کے علاوہ جس عورت سے بھی قائم کیا جائے گا زنا ہوگا۔ اور اگر مرد، مرد کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرتا ہے تو یہ لواطت ہوگی۔ اور یہ سب صورتیں حرام ہیں جن کی حرمت شدید ہے۔

اس آیت سے متعہ (مقررہ وقت تک کیلئے کسی عورت سے اس کی مرضی سے جنسی تعلق قائم کرنے) کی حرمت بھی ثابت ہوتی ہے۔ کیوں کہ جس سے متعہ کیا جاتا ہے وہ نہ بیوی ہوتی ہے اور نہ لونڈی۔ بیوی اس لئے نہیں کہ وہ متعہ کرنے والے شخص کے نہ عقد نکاح میں ہوتی ہے اور نہ اس پر نفقہ، طلاق اور عدت وغیرہ کے احکام چسپاں ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ اس شخص کی میراث میں سے حصہ پا سکتی ہے۔ اور لونڈی اس لئے نہیں کہ وہ اس کا مالک نہیں ہے۔ غرضیکہ قرآن میں متعہ کے جواز کے لئے نہ صرف یہ کہ کوئی دلیل موجود نہیں ہے، بلکہ جو احکام ازدواجی زندگی سے متعلق دئے گئے ہیں ان سے اس کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ سورۂ مؤمنون مکی ہے جس کی مذکورہ آیت میں دو صورتوں کے علاوہ جنسی تعلق کی ہر صورت کو حرام قرار دیا گیا ہے، گویا متعہ کی حرمت کا حکم مکی دور ہی سے چلا آرہا ہے۔

متعہ کی ممانعت حدیث سے بھی ثابت ہے: **عَن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَآءِ يَوْمَ خَيْبَرَ**۔ ''حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن متعہ سے منع فرمایا''۔ (بخاری کتاب المغازی)

اور علماء وفقہاء کا اس کی حرمت پر اجماع ہے: ''خطابی کہتے ہیں کہ متعہ کے حرام ہونے پر گویا اجماع ہے بجز بعض شیعہ کے۔'' (فتح الباری جلد ۹ ص ۱۴۲)

''اس نکاح کے حرام ہونے پر ائمۂ مذاہب کے درمیان اتفاق ہے۔'' (فقہ السنۃ۔ السید سابق ج ۲ ص ۱۴۲)

رہیں وہ حدیثیں جن میں نبی ﷺ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ آپؐ نے بعض غزوات کے موقع پر متعہ کی اجازت دی تھی، اور بعد میں اس کو منسوخ کر دیا تو ان حدیثوں میں متضاد باتیں بیان ہوئیں ہیں۔

جب غزوہ خیبر (۶ھ) کے موقع پر اس کی ممانعت کر دی گئی تھی تو فتح مکہ (۸ھ) کے موقع پر اس کی اجازت دینے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ اور فتح مکہ کے زمانہ میں تو دین اپنی تکمیل کو پہنچ گیا تھا اور مسلمان ایک طاقت بن چکے تھے۔ اس لئے یہ موقع متعہ کی رعایت کا ہرگز نہیں تھا۔ پھر ایک روایت کی رو سے یہ اجازت تین دن کیلئے دی گئی تھی اس کے بعد اس کی ممانعت کر دی گئی، اور دوسری روایت کے مطابق ایک دن اس کی اجازت دی گئی اور دوسرے ہی دن اسے حرام قرار دیا گیا۔ مسلم کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر اعلان فرمایا کہ ''میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی اور اب اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت تک کے لئے حرام ٹھہرایا ہے۔''

اور مسلم ہی کی روایت ہے کہ غزوۂ اوطاس کے موقع پر جو فتح مکہ کے بعد (شوال ۸ھ میں) ہوا آپ ﷺ نے اس کی اجازت دی پھر ممانعت فرمادی (دیکھئے صحیح مسلم کتاب النکاح)۔ غزوۂ اوطاس کا واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے لہٰذا لامحالہ دو میں سے ایک روایت ہی صحیح ہوسکتی ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر آپ اعلان فرمائیں کہ متعہ قیامت تک کیلئے حرام کر دیا گیا، اور پھر جب اوطاس میں جنگ ہو تو آپ اس کی اجازت بھی دیدیں۔ ایسی روایتیں ہرگز حدیثِ رسول نہیں ہوسکتیں جو قرآن کے صریح حکم سے متصادم ہوں۔ ان روایتوں کو صحیح تسلیم کرنے کی صورت میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ مکہ اور اوطاس میں وہ کون سی عورتیں تھیں جو تین دن کیلئے محض ایک چادر کے عوض نکاح کرنا پسند کرتی تھیں؟ اور ان سے ربط پیدا کرنے کا کیا ذریعہ تھا؟ کیا کوئی مسلمان کسی اجنبی مسلمان

خاتون سے جا کر پوچھتا تھا کہ تو تین دن کیلئے مجھ سے نکاح کرنے کیلئے آمادہ ہے؟ پھر اگر وہ آمادہ ہو جاتی تو اس سے بغیر استبراء کے کس طرح فوراً تعلق قائم کیا جا سکتا تھا؟ جب کہ لونڈیوں سے مباشرت کیلئے استبراء یعنی ایک ماہواری کے گذر جانے کی قید ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ متعہ کیلئے استبراء کی قید نہیں تو حمل ٹھہر جانے کی صورت میں یہ کیسے پتہ چلتا کہ یہ کس کا حمل ہے؟ اور حمل کی صورت میں بچہ کی کفالت کی ذمہ داری اپنی ماں کے عارضی شوہر پر عائد ہوتی تھی یا نہیں؟ اگر ہوتی تھی تو عارضی نکاح کا کیا فائدہ ہوا؟ یہ سوالات متعہ کی نامعقولیت واضح کرنے کیلئے کافی ہیں۔ مگر مسلمانوں کا شیعہ فرقہ متعہ کے حلال ہونے کا قائل ہے۔ وہ قرآن کو چھوڑ کر روایتوں کا سہارا لیتا ہے۔ وہ روایتوں کو قرآن کی روشنی میں دیکھنے کے بجائے قرآن کو روایتوں کی روشنی میں دیکھتا ہے۔ یہی وہ ہمالیائی غلطی ہے جو قرآن کی غلط تاویل کرنے اور نامعقول باتیں ماننے پر آمادہ کرتی ہیں۔

جہاں تک ان احادیث کی اسناد کا تعلق ہے بیشتر احادیث ایسی ہیں جن کی اسناد میں کلام کی کافی گنجائش ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم صرف چند مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔

متعہ کے رخصت کے سلسلہ میں ایک حدیث صحیح مسلم میں عبدالملک بن الربیع بن سبرہ سے مروی ہے۔ مگر مشہور محدث یحییٰ بن معین نے اسے ضعیف کہا ہے اور ابوالحسن بن القطان کہتے ہیں ان کا عادل ہونا ثابت نہیں ہے۔

اگرچہ مسلم نے ان کی حدیث بیان کی ہے لیکن وہ قابل حجت نہیں۔ (تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی ج ۶ ص ۳۹۳) بخاری اور مسلم دونوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوات کے موقع پر انہیں متعہ کی اجازت دی تھی۔ یہ روایت قیس بن ابی حازم سے ہے اور قیس بن ابی حازم کے بارے میں ابن المدینی کہتے ہیں کہ مجھ سے یحییٰ بن سعید نے کہا کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۸۸)

بخاری کی ایک حدیث حسن بن محمد نے جابر بن عبداللہ اور سلمہ بن اکوع کے واسطہ سے بیان کی ہے کہ ان دونوں نے کہا کہ ہم ایک لشکر میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہمارے پاس آیا اور کہا کہ تمہیں استمتاع (عورتوں سے فائدہ حاصل کرنے) کی اجازت دی گئی ہے لہٰذا استمتاع کرو۔'' (بخاری کتاب النکاح) جب کہ بخاری نے حسن بن محمد ہی کے واسطہ سے حضرت علی کی یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے خیبر کے موقع پر متعہ کی ممانعت فرمادی تھی۔ (بخاری کتاب المغازی)

ایک روایت ابن جریج سے ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے زمانے میں متعہ کیا۔ (مسلم کتاب النکاح) یہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہیں۔ ان کے بارے میں امام احمد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب ابن جریج کہتے ہیں کہ فلاں اور فلاں نے کہا یا مجھے خبر دی گئی تو وہ منکر حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ اور جب کہتے ہیں کہ مجھے فلاں شخص نے خبر دی یا میں نے اس سے سنا تو تمہارے (اعتماد) کیلئے یہ کافی ہے۔ اور اضحاقی نے امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ابن جریج حاطبِ لیل (رات کی تاریکی میں لکڑیاں چننے والے یعنی رطب و یابس جمع کرنے والے) ہیں۔ اور دارقطنی کہتے ہیں کہ ابن جریج کی تدلیس سے بچو اور یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۴۰۲ تا ۴۰۶)

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ متعہ کی رخصت کے سلسلہ میں جب صحیحین کی روایتوں کا یہ حال ہے تو شیعوں کی بیان کردہ روایات کا کیا حال ہوگا! واقعہ یہ ہے کہ ان متضاد اور الجھی ہوئی روایتوں سے جن میں سے بیشتر روایتیں اسناد کے اعتبار سے علت سے خالی نہیں ہیں، یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ نبی ﷺ نے متعہ کی رخصت دی تھی۔ البتہ جاہلیت میں چونکہ متعہ کا طریقہ رائج تھا اس لئے آپ نے بڑی تاکید کے ساتھ اس کی ممانعت فرمائی۔ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ کسی روایت کا صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں ہونا اسے ہرگز تقدس عطاء نہیں کرتا جب کہ وہ قرآن کے صریح حکم سے متصادم ہو۔ ان دلائل کے بعد بھی اگر کسی کو اس بات پر اصرار ہو کہ متعہ کی رخصت دی گئی تھی یا دی گئی ہے تو وہ یہ بتلائے کہ متعہ اور زنا میں کیا فرق ہے؟ نیز وہ یہ بھی واضح کرے کہ متعہ، قرآن کے ازدواجی احکام کے خلاف نہیں ہے۔ اس کے بعد ہم اپنی اس تحریر پر نظر ثانی کر سکتے ہیں۔

۸۔ امانتوں سے مراد وہ امانتیں بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تفویض کی ہیں، اور وہ امانتیں بھی جو لوگ ایک دوسرے کے سپرد کرتے ہیں۔

۹۔ عہد سے مراد وہ عہد بھی ہے جو اللہ سے باندھا گیا ہو، اور وہ عہد بھی جو لوگوں کے ساتھ کیا گیا ہو۔

۱۰۔ نماز کی حفاظت میں پابندی کے ساتھ نماز پڑھنا، وقت پر ادا کرنا، اس طریقہ پر ادا کرنا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے اور اس کے تمام شرائط و آداب کو ملحوظ رکھنا شامل ہے۔

آیت ۲ میں نماز کی اسپرٹ واضح کی گئی تھی اور یہاں نماز کے اہتمام کی تاکید کی گئی ہے۔

ان آیات میں اہل ایمان کے اوصاف کا ذکر نماز ہی سے شروع ہوا اور نماز ہی پر ختم ہو رہا ہے۔ یہ گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اوصاف اس نماز کے ثمرات ہیں جو حسن و بخوبی کے ساتھ ادا کی جائے۔

۱۱۔ فردوس کا وارث ہونا ہی وہ اصل کامیابی ہے جو اہل ایمان کے حصہ میں آئے گی۔ حدیث میں فردوس کو اعلیٰ درجہ کی جنت سے تعبیر کیا گیا ہے:

صحیحین میں ہے : ''جب تم اللہ سے جنت مانگو، تو فردوس مانگو، کیوں کہ وہ اعلیٰ اور بہترین درجہ کی جنت ہے اور اسی سے جنت کی نہریں نکلتی ہے۔'' (ابن کثیر ج ۳ ص ۱۰۸) اور فردوس کے بھی بہت سے باغ ہوں گے جیسا کہ سورہ کہف آیت ۱۰۷ سے واضح ہے۔

۱۲۔ گویا یہ مٹی کا جوہر تھا جس سے پہلے انسان کی تخلیق ہوئی۔ اسی لئے انسان کی طبیعت میں وہ تمام خصوصیات جمع ہوگئی ہیں جو مختلف خطوں میں پائی جاتی ہیں، مگر کوئی زمین نرم ہوتی ہے تو کوئی سخت۔ اسی طرح کسی شخص کا مزاج نرم ہوتا ہے تو کسی کا سخت، مٹی کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور انسانوں کے رنگ بھی مختلف، مٹی میں مختلف چیزیں پیدا کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے انسان بھی مختلف صلاحیتوں کا حامل ہوتا ہے۔

(مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ حجر نوٹ ۲۴۔)

۱۳۔ یعنی پہلے انسان کو مٹی سے پیدا کرنے کے بعد اس کی نسل کا سلسلہ نطفہ کے ذریعہ چلایا جو پانی کی ایک بوند ہوتا ہے۔ اس کو رحم جیسی محفوظ جگہ میں ٹھہرانے کا اس نے سامان کیا۔

۱۴۔ نطفہ جن مراحل سے گذر کر جنین (Embroy) کی شکل اختیار کر لیتا ہے اس کی تشریح سورۂ حج نوٹ ۸۔ تا ۱۱۔ میں گذر چکی۔

واضح رہے کہ علقہ (خون کا تھکا) وغیرہ عام مشاہدہ میں آنے والی چیزیں تھیں۔ یعنی اسقاط کی صورت میں لوگ دیکھ لیتے تھے کہ ایک جنین ابتداء میں کیا ہوتا ہے اور بعد میں اس میں کیا کیا تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ قرآن کا استدلال اسی عام مشاہدہ میں آنے والی چیزوں سے ہے۔ رہا موجودہ علم الجنین (Embroyology) جس نے حیرت انگیز انکشافات کئے ہیں۔ تو یہ گویا قرآن کے اشارات کی تفصیل ہے۔ اور اس سے قرآن کی یہ دلیل اور زیادہ روشن ہوگئی ہے کہ یہ مشاہدہ قرآن کی اس خبر کے بارے میں یقین پیدا کرتا ہے کہ انسان کو اس کا رب دوبارہ اٹھائے گا۔

۱۵۔ یعنی پھر وہ مرحلہ آتا ہے کہ جنین میں روح پھونک دی جاتی ہے اور وہ سننے اور دیکھنے والا انسان بن جاتا ہے۔ کہاں تو ایک لوتھڑا تھا اور کہاں ایک مکمل انسان بن گیا۔

لوتھڑے کو دیکھ کر اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ایک ایسا وجود اختیار کرنے والا ہے جو زمین کی خلافت سے سرفراز ہوگا مگر چند ماہ کے اندر اندر اس میں ایسی زبردست تبدیلی رونما ہو جاتی ہے کہ وہ ایک نئی مخلوق بن کر ابھرتا ہے۔

۱۶۔ انسان کا ان مختلف حالات اور مدارج سے گذر کر انسان بننا، ایک خالق کی خلاقی کا بین ثبوت ہے۔ نیز اس سے اس کی اس شان کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ وہ بڑے کمالات والا ہے اور اس کے فیضان کرم کی کوئی انتہا نہیں۔

۱۷۔ موت کے بعد عالم برزخ میں روحوں کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے اس کا ذکر یہاں نہیں کیا گیا۔ کیوں کہ یہاں قیامت کے دن اٹھائے جانے پر استدلال کرنا مقصود ہے جو جسم کے ساتھ ہوگا اور اسی روز وہ اپنے عمل کا پورا پورا بدلہ پائے گا۔

علقہ اور مضغہ کی تصویریں

EMBRYONIC AND FETAL STAGES

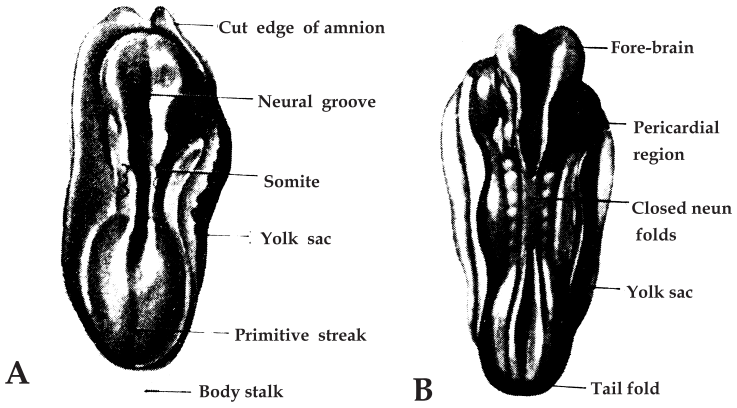

A ۲۰ دن کے جنین کی تصویر جب کہ علقہ (جما ہوا خون) مضغہ (گوشت کے ٹکڑے) میں تبدیل ہو رہا ہوتا ہے۔

B جنین جب کہ مضغہ (گوشت کا ایک ٹکڑا) ہوتا ہے۔

(تصویریں بڑی کر کے دکھائی گئی ہیں)

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶ پھر یقیناً تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔ ۱۸

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷ اور ہم نے تمہارے اوپر سات تہ برتہ آسمان بنائے۔ ۱۹ اور ہم مخلوق کی طرف سے غافل نہیں ہیں۔ ۲۰

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

۱۸ اور ہم نے ایک خاص اندازہ کے ساتھ آسمان سے پانی برسایا اور اس کو زمین میں ٹھہرا دیا۔ اور ہم اس پر قادر ہیں کہ اسے غائب کر دیں۔ ۲۱

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹ پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعہ تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے۔ تمہارے لئے ان میں بہت سے پھل ہیں جن کو تم کھاتے ہو۔

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾

۲۰ اور وہ درخت بھی جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے، تیل لئے ہوئے اگتا ہے۔ اور کھانے والوں کے لئے سالن۔ ۲۲

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾

۲۱ اور تمہارے لئے مویشیوں میں بھی بڑا سبق ہے۔ ہم ان چیزوں کے اندر سے جو ان کے شکم میں ہے تمہیں (دودھ) پلاتے ہیں ۲۳۔ تمہارے لئے ان میں بہت سے فائدے ہیں اور ان سے تم غذا بھی حاصل کرتے ہو۔ ۲۴

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

۲۲ تم ان پر اور کشتیوں پر سوار بھی کئے جاتے ہو۔ ۲۵

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا ۲۶۔ اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں۔ کیا تم (اس سے) ڈرتے نہیں! ۲۷

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً ۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴ اس کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا کہنے لگے یہ شخص تو بس تمہارے ہی جیسا بشر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تم پر برتری حاصل کرے۔ اگر اللہ (رسول بھیجنا) چاہتا تو فرشتوں کو اتار دیتا۔ ایسی بات تو ہم نے اپنے اگلے باپ دادا سے سنی ہی نہیں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾

۲۵ کچھ نہیں اس شخص کو جنون ہو گیا ہے لہٰذا کچھ دن اس کے بارے میں انتظار کرو۔ ۲۸

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾

۲۶ نوح نے دعا کی اے میرے رب! میری مدد کر اس بات پر کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے۔ ۲۹

۱۸؎ اگر انسان کا پہلی مرتبہ وجود ہوا تو دوسری مرتبہ کیوں نہیں ہوسکتا؟ اگر انسان کی موجودہ زندگی مختلف مرحلوں سے گذرنے کے بعد عطاء ہوئی ہے، اور اس کے بعد وہ مختلف مرحلوں سے گزرتا رہتا ہے، تو یہ بات کیسے کہی جاسکتی ہے کہ موت کے بعد کوئی مرحلہ نہیں ہے؟ زندگی تو ایک جاری رہنے والی چیز ہے مگر لوگ اس مغالطہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ موت زندگی کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیتی ہے، حالانکہ موت محض ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں داخل ہونے کا نام ہے۔

۱۹؎ متن میں لفظ طرائق استعمال ہوا ہے جو طریقہ کی جمع ہے جس کے معنیٰ راستوں کے بھی ہیں اور تہ برتہ ہونے کی بھی۔ عربی میں بولتے ہیں: **ریشٌ طرائقٌ** یعنی وہ پَر جو ایک دوسرے کے اوپر رکھے گئے ہوں۔

ریش طرائق اذا کان بعضہ فوق بعض (الصحاح للجوہری ج ۴ ص ۱۵۱۶) اور قرآن کریم میں دوسری جگہ **سَبع سمٰوٰتٍ طباقاً** (تہ برتہ آسمان سورۂ ملک آیت ۳) اس لئے یہاں بھی تہ برتہ کے معنیٰ لینا ہی مناسب ہے۔

بعض مفسرین نے سات سیاروں کے مدار مراد لئے ہیں مگر اس کی تائید قرآن کی کسی آیت سے نہیں ہوتی۔

۲۰؎ یعنی سات آسمانوں سمیت پوری کائنات میں جو مخلوق بھی ہے اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

۲۱؎ پانی کے بغیر زندگی ممکن نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ بارش کے ذریعہ پانی کے خزانے انڈیلتا رہتا ہے، جو زمین میں جمع ہوکر انسان کے کام آتا ہے۔ اگر اللہ چاہے تو وہ پانی کو غائب کرسکتا ہے لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اس کا شکر ادا کرے اور اس سے ڈرے۔

۲۲؎ مراد زیتون کا درخت ہے جو عرب سے قریبی ملک سیناء میں کوہ طور کے پاس پیدا ہوتا ہے۔ اس کا پھل زیتون کے تیل کیلئے مشہور ہے یہ تیل نہایت اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے اور اس کو سالن کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

۲۳؎ یعنی ان کے شکم کی آلائشوں کے درمیان دودھ جیسی خالص چیز تیار کرکے ہم تمہیں پلاتے ہیں۔

۲۴؎ یعنی ان مویشیوں کا گوشت تمہارے کھانے کے کام آتا ہے۔

۲۵؎ یہ سب اللہ کی نعمتیں اور اس کے احسانات ہیں۔ اور ان کے ذکر سے مقصود اللہ کے رب ہونے کا احساس پیدا کرنا اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر استدلال کرنا ہے۔

۲۶؎ حضرت نوح کی سرگزشت سورۂ اعراف اور سورہ یونس کے علاوہ سورۂ ہود میں تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورہ اعراف، نوٹ ۹۴؎ تا ۱۰۴؎، سورہ یونس نوٹ ۱۰۸؎ تا ۱۱۳؎ اور سورۂ ہود نوٹ ۳۸؎ تا ۴۷؎۔

۲۷؎ یعنی کیا تم اس بات سے ڈرتے نہیں کہ اگر تم نے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کی تو وہ تمہیں سخت سزا دے گا۔ کیوں کہ عبادت اللہ ہی کا حق ہے اور لائق عبادت صرف اللہ کی ذات ہے۔

۲۸؎ نوح کی قوم دنیا کی پہلی قوم ہے جس کی طرف پہلا رسول بھیجا گیا تھا۔ اس قوم نے جس طرح رسول کا انکار کیا اور اس انکار کے لئے جن غلط باتوں کا سہارا لیا، اسی طرح بعد کی قومیں بھی وہی راگ الاپتی رہی ہیں۔ رسالت کا انکار کرنے والوں نے نہ پہلے کوئی معقول بات کہی اور نہ اب کہہ رہے ہیں۔

۲۹؎ یعنی جب ان پر میری دعوت واضح ہوگئی اور حجت قائم ہوگئی، اور وہ اپنے انکار کی روش سے باز آنے کے لئے تیار نہیں ہیں، تو اب تو میری اس طرح مدد فرما کہ حق نافذ ہوجائے اور باطل مٹ جائے۔

فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا
فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ
زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ
مِنْهُمْ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ﴿٢٧﴾

۲۷ ہم نے اس پر وحی کی کہ ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ ۳۰۔ پھر جب ہمارا حکم آجائے اور تنور اُبل پڑے ۳۱، تو ہر قسم کے نر و مادہ کا جوڑا اس میں رکھ لو اور اپنے گھر والوں کو بھی ساتھ لے لو سوائے ان کے جن کے خلاف پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے ۳۲۔ اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہنا وہ غرق ہو کر رہیں گے۔

فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ
الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٨﴾

۲۸ پھر جب تم اپنے ساتھیوں کو لے کر کشتی میں سوار ہو جاؤ تو کہو شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی۔ ۳۳

وَقُلْ رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿٢٩﴾

۲۹ اور دعا کرو اے رب! مجھے برکت کے ساتھ اتار ۳۴ اور تو بہترین اتارنے والا ہے۔ ۳۵

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ وَإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿٣٠﴾

۳۰ اس واقعہ میں بڑی نشانیاں ہیں ۳۶۔ اور ایسا ضرور ہے کہ ہم (لوگوں کو) آزمائش میں ڈالیں۔ ۳۷

ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٣١﴾

۳۱ پھر ان کے بعد ہم نے دوسرے دور کے لوگ پیدا کر دئے۔

فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ
مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣٢﴾

۳۲ اور ان ہی میں سے ایک رسول ان کی طرف بھیجا ۳۸۔ (اس دعوت کے ساتھ) کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تو کیا تم ڈرتے نہیں!

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ
وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يَأْكُلُ
مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴿٣٣﴾

۳۳ اس کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا اور آخرت کی پیشی کو جھٹلایا تھا اور جنہیں ہم نے دنیا کی زندگی میں آسودگی دے رکھی تھی، کہنے لگے یہ تو تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہے۔ وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔

وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُونَ ﴿٣٤﴾

۳۴ اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کی اطاعت کر لی تو تم گھاٹے میں رہو گے۔

أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُمْ مُخْرَجُونَ ﴿٣٥﴾

۳۵ یہ تو تمہیں آگاہ کرتا ہے کہ جب تم مر کر مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیوں کی شکل میں رہ جاؤ گے تو تمہیں نکالا جائے گا۔

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ﴿٣٦﴾

۳۶ بعید ہے بہت بعید ہے وہ بات جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ ۳۹

۳۰۔ حضرت نوح کی دعا قبول ہوئی اور قوم نوح کی ہلاکت کا فیصلہ ہو گیا۔ حضرت نوح کو مطلع کر دیا گیا کہ ان کی قوم پر طوفان کی شکل میں عذاب آئے گا۔ اور تمہاری اور اہل ایمان کی نجات ایک کشتی کے ذریعہ ہوگی، لہٰذا تم کشتی تیار کرو۔

۳۱۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ ہود نوٹ ۵۶۔

۳۲۔ یعنی کسی ایسے شخص کو نہیں جو کافر ہو، اور اس بنا پر اس کی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہو، خواہ وہ تمہارے گھر والوں ہی میں سے کیوں نہ ہو۔

۳۳۔ نوح کی قوم، مشرک، کافر اور مفسد قوم تھی۔ اسی مفہوم میں اسے ظالم قوم کہا گیا ہے۔ ایسی سوسائٹی اور ایسے ماحول سے نجات اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل تھا۔ کیوں کہ اب وہ ایک پاکیزہ ماحول میں اور صاف ستھری ہوا میں زندگی بسر کر سکتے تھے اس لئے اس فضل پر اللہ کا شکر ادا کرنے کا حکم ہوا۔

۳۴۔ یعنی زمین پر میرا قدم رکھنا باعث خیر ہو۔ جو کام بھی میری رہنمائی میں انجام پائے وہ خیر کا کام ہو اور میرے وجود سے زمین میں خیر ہی خیر پھیلے۔

۳۵۔ یہ اس توقع کا اظہار ہے کہ جب تو، اتارے گا تو اپنی عنایتوں اور نوازشوں کے ساتھ اتارے گا۔

۳۶۔ قوموں اور ملتوں کی تاریخ کا یہ اولین باب اپنے اندر بڑے سبق رکھتا ہے۔ مثلاً یہ کہ توحید حق ہے اور شرک باطل، خدا کی طرف سے ہدایت انسان کو رسول کے واسطہ سے ملتی ہے، جو انسان ہی ہوتا ہے۔ رسول کی مخالفت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں سخت سزا دیتا ہے اور اپنے رسول اور اہل ایمان کی نجات کا سامان کرتا ہے۔ جب خدا کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے تو حق باقی رہتا ہے اور باطل مٹ جاتا ہے۔

۳۷۔ یعنی یہ دنیا آزمائش ہی کے لئے بنائی گئی ہے اس لئے یہاں کی زندگی آزمائش ہی کی زندگی ہوگی۔ وحی اور رسالت کا سلسلہ بھی آزمائش ہی کے سلسلہ کی کڑی ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھے کہ کون اپنی عقل سے کام لے کر اور اپنی بصیرت سے اس کے رسول کو پہچانتا ہے اور اس کے ذریعہ دی جانے والی ہدایت کو قبول کرتا ہے، اور کون ہے جو اندھا بنا رہتا ہے۔

۳۸۔ قرآن نے یہ صراحت نہیں کی کہ یہ کون سی قوم تھی۔ ہوسکتا ہے یہ کوئی ایسی قوم ہو جس کے نام سے لوگ آشنا نہ ہوں مگر تذکیر کے لئے اس کا قصہ بیان کیا ہو۔

۳۹۔ وہ انسان کے دوبارہ اٹھائے جانے کو بعید از عقل خیال کرتے تھے اور موجودہ دور کا انسان بھی اسے ایک انہونی بات خیال کرتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ کوئی سنجیدہ بات ہی نہیں ہے کہ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہو۔ حالانکہ بہت سی باتیں جو پہلے بعید از عقل تھیں اب قرین عقل بن گئی ہیں مگر دوسری زندگی کے منکرین کی ذہنیت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا
وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿٣٧﴾

۳۷ زندگی تو بس اس دنیا ہی کی زندگی ہے جس میں ہم مرتے اور جیتے ہیں ۴۰ ۔ اور ہمیں ہرگز اٹھایا نہ جائے گا۔

إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا
وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٣٨﴾

۳۸ یہ تو ایک ایسا شخص ہے جس نے اللہ کے نام سے جھوٹ گڑھا ہے اور ہم اس کی بات ہرگز ماننے والے نہیں ہیں۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٣٩﴾

۳۹ اس نے دعا کی ۴۱ ۔ اے رب! انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے تو تو میری مدد فرما۔

قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ﴿٤٠﴾

۴۰ فرمایا قریب ہے وہ وقت جب وہ نادم ہوں گے۔

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ
الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾

۴۱ چنانچہ ایک ہولناک آواز نے جو حق کے ساتھ نمودار ہوئی تھی انہیں پکڑ لیا ۴۲ ۔ اور ہم نے انہیں خس و خاشاک بنا کر رکھ دیا۔ پھٹکار ہے ظالم قوم کے لئے!

ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ﴿٤٢﴾

۴۲ پھر ہم نے ان کے بعد دوسری قومیں اٹھائیں۔

مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿٤٣﴾

۴۳ کوئی قوم نہ اپنے وقت سے پہلے ختم ہوتی ہے اور نہ اس کے بعد ٹھہر سکتی ہے۔

ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَىٰ ۖ كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةً رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ
فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُم بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ۚ
فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٤٤﴾

۴۴ پھر ہم نے یکے بعد دیگرے اپنے رسول بھیجے ۴۳ ۔ جب بھی کسی قوم کے پاس اس کا رسول آیا اس نے اسے جھٹلایا۔ تو ہم ایک کے بعد دوسری قوم کو ہلاک کرتے رہے اور ان کو افسانہ بنا کر چھوڑا۔ پھٹکار ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا
وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٤٥﴾

۴۵ پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور کھلی حجت کے ساتھ بھیجا۔ ۴۴ ۔

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ﴿٤٦﴾

۴۶ فرعون اور اس کی حکومت کے سربراہوں کی طرف مگر انہوں نے تکبر کیا اور وہ سرکش لوگ تھے۔

فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ ﴿٤٧﴾

۴۷ انہوں نے کہا کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں جب کہ ان کی قوم ہماری غلامی کر رہی ہے۔ ۴۵ ۔

فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ﴿٤٨﴾

۴۸ اس طرح انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا اور بالآخر ہلاک ہو کر رہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٤٩﴾

۴۹ اور موسیٰ کو ہم نے کتاب عطاء کی تا کہ لوگ ہدایت پائیں۔ ۴۶ ۔

۴۰؎ آج کے مادہ پرست لوگ بھی ان گمراہ قوموں ہی کے نقش قدم پر ہیں۔انہوں نے دنیا کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا ہے۔اسی کے مسائل میں وہ گم ہیں اور نہیں چاہتے کہ جو نقد فائدے انہیں حاصل ہو رہے ہیں اس میں کوئی کمی ہو۔

۴۱؎ یعنی رسول نے بالآخر دعا کی۔

۴۲؎ یعنی وہ بالآخر وہ عذاب کی گرفت میں آ گئے۔یہ عذاب جس شکل میں بھی تھا ایک ہولناک آواز کے ساتھ ان پر ٹوٹ پڑا تھا۔اور ساتھ ہی وہ حق بھی نمودار ہوا تھا۔جس کا وعدہ رسول نے کیا تھا۔

۴۳؎ یعنی جب دنیا میں قوموں کی کثرت ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے بھی پے در پے اپنے رسول بھیجے۔اس وقت دنیا بین الاقوامی نہیں تھی اور نہ ایسے وسائل موجود تھے کہ ایک قوم میں رسول کی بعثت دوسری قوموں تک پیغام رسانی کا ذریعہ بن سکے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں رسول بھیجے۔ان سب رسولوں کے اور ان کی قوموں کے نام قرآن میں بیان نہیں ہوئے ہیں۔مگر اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے کہ جن رسولوں کے ناموں کا قرآن میں ذکر ہوا ہے ان کے علاوہ بھی بہ کثرت رسول مختلف قوموں کی طرف مختلف زمانوں میں بھیجے گئے تھے۔

۴۴؎ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کا قصہ تفصیل کے ساتھ سورۂ طٰہٰ میں گزر چکا ہے۔

نشانیوں سے مراد معجزے ہیں جن میں عصا کے سانپ بن جانے کا معجزہ سب سے بڑا معجزہ تھا۔

کھلی حجت سے مراد وہ حجت ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی دعوت نیز ان کے گفتار و کردار میں بالکل نمایاں تھی۔اور ان کی شخصیتیں اس بات کا مظہر تھیں کہ وہ اللہ کی طرف سے مامور ہیں اور انہیں اس کی تائید حاصل ہے۔ایک نبی کی شخصیت حجت ہی ہوتی ہے خواہ وہ کوئی معجزہ دکھائے یا نہ دکھائے۔

۴۵؎ متن میں قَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُوْنَ (ان کی قوم ہماری عابد ہے) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔یہاں عابدون کے معنیٰ عبادت کرنے والے کے نہیں بلکہ غلامی کرنے والے کے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ نے ایک موقع پر فرعون سے کہا تھا: وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ۔ (شعراء: ۲۲) ''یہی تیرا وہ احسان ہے جو تو جتا رہا ہے اس بات پر کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنالیا۔''

اس آیت میں عَبَّدْتَّ کا لفظ غلام بنالینے کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو غلامی کی زندگی گذارنے پر مجبور کیا تھا۔ان کی اس کمتر حیثیت کا ذکر کر کے فرعون اور اس کی حکومت کے ذمہ داروں نے لوگوں کو شہ دی کہ موسیٰ اور ہارون کو اللہ کا رسول تسلیم کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ ان کو ہم پر برتری حاصل ہو جائے، جب کہ وہ جس قوم کے قائد ہیں وہ ہماری غلامی کر رہی ہے۔تو کیا اب ہم اپنے غلاموں کے دین کو قبول کر لیں اور ان کے قائدوں کو اپنا قائد مان لیں! یہی وہ تکبر تھا اور یہی وہ جاہلی عصبیت تھی جس نے فرعون اور اس کی قوم کو قبول حق سے روکا۔

موجودہ دور کے مشہور مفسر نے لَنَا عَابِدُوْنَ کے الفاظ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جو شخص کسی کی اطاعت کرتا ہے وہ گویا اس کی عبادت کرتا ہے۔لیکن یہ بات اسی صورت میں صحیح ہو سکتی ہے جب کہ آدمی یہ سمجھتے ہوئے کسی کی اطاعت کرے کہ اس کو علی الاطلاق حکم دینے کا اختیار ہے یا اس کی اطاعت کا، خدا کی اطاعت کے ماتحت ہونا ضروری نہیں۔اسی لئے شیطان کی اندھی تقلید کو اس کی عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مگر بنی اسرائیل فرعون کی اطاعت مجبوراً کر رہے تھے، اس لئے بھی کہ اس کا اقتدار ان پر قائم تھا، اور اس لئے بھی کہ فرعون نے ان کو غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر رکھا تھا۔ایسی صورت میں بنی اسرائیل کے بارے میں یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ فرعون کی عبادت کر رہے تھے۔اور فرعون نے اسی معنیٰ میں کہا کہ یہ قوم ہماری عابد ہے۔اور اگر بالفرض فرعون نے یہ بات اسی مفہوم میں کہی تھی تو اس سے یہ بات کہاں ثابت ہوتی ہے کہ اس کا یہ قول صحیح تھا۔اس نے حضرت موسیٰ کو دیوانہ بھی کہا تھا تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کی یہ بات صحیح تھی۔اگر نہیں تو پھر فرعون کے اس قول کو کہ یہ قوم ہماری ''عابد'' ہے عبادت کی شرعی اصطلاح کا مفہوم متعین کرنے کے لئے کیسے دلیل بنایا جا سکتا ہے؟

۴۶؎ مراد تورات ہے جو حضرت موسیٰ کے بعد بھی طویل عرصہ تک لوگوں کے لئے اللہ کی ہدایت معلوم کرنے کا ذریعہ بنی رہی۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ
رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ﴿٥٠﴾

۵۰ اور ابن مریم ۴۷ ، اور اس کی ماں کو ہم نے ایک نشانی بنایا ۴۸ ۔ اور انہیں ایک اونچے ٹیلے پر جگہ دی جو پرُسکون اور چشمہ والی تھی۔ ۴۹

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ
وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾

۵۱ اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو ۵۰ ۔ تم جو کچھ کرتے ہو میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں۔

وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴿٥٢﴾

۵۲ اور یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے ۵۱ ۔ اور میں تمہارا رب ہوں تو مجھ ہی سے ڈرو۔ ۵۲

فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ
كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٥٣﴾

۵۳ مگر لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ۵۳ ۔ ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اسی میں مگن ہے۔ ۵۴

فَذَرْهُمْ فِي غَمْرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٥٤﴾

۵۴ تو چھوڑ دو انہیں اپنی غفلت میں ڈوبے رہیں ایک وقت خاص تک۔ ۵۵

أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَالٍ وَبَنِينَ ﴿٥٥﴾

۵۵ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو جو مال اور اولاد دئے جارہے ہیں۔

نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۚ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٦﴾

۵۶ تو کیا ان کے لئے خیر میں اضافہ کر رہے ہیں؟ نہیں بلکہ ان کو (اصل حقیقت کا) شعور نہیں۔ ۵۶

إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ﴿٥٧﴾

۵۷ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے لرزاں رہتے ہیں۔ ۵۷

وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٨﴾

۵۸ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾

۵۹ جو اپنے رب کا شریک نہیں ٹھہراتے۔

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ
إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿٦٠﴾

۶۰ اور جو دیتے ہیں جو کچھ بھی دیتے ہیں اس حال میں کہ ان کے دل کانپ رہے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔ ۵۸

أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿٦١﴾

۶۱ یہ ہیں بھلائیوں میں سرگرم رہنے والے اور سبقت کر کے ان کو پالینے والے۔ ۵۹

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ ۚ
وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٢﴾

۶۲ ہم کسی شخص پر اس کی مقدرت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتے ۶۰ ۔ اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو (ہر ایک کا حال) ٹھیک ٹھیک بتا دیتی ہے ۶۱ ۔ اور ان کے ساتھ ناانصافی نہ ہوگی۔

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِنْ هَٰذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ
مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا عَامِلُونَ ﴿٦٣﴾

۶۳ مگر ان کے دل اس کی طرف سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور کچھ دوسرے کام ہیں جن میں وہ مشغول ہیں۔ ۶۲

۴۷۔ حضرت عیسیٰ کا ذکر ان کا نام لئے بغیر ان کی ابنیت سے کیا گیا، جس سے ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے، وہ بغیر باپ کے اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اور دوسرے یہ کہ وہ خدا کے نہیں بلکہ مریم کے بیٹے تھے۔

۴۸۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم دونوں مل کر اللہ کی ایک نشانی تھے۔ کیوں کہ حضرت مریم بغیر شوہر کے حاملہ ہوئی تھیں اور حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔

۴۹۔ حضرت مریم کو جب دردِ زہ اٹھا تو انہوں نے بیت المقدس سے دور کھجور کے تنہ کے پاس پناہ لی تھی، تاکہ وہ پوشیدہ رہیں اور لوگوں کے طعن و تشنیع سے بچیں۔ یہ جگہ بڑی پرسکون تھی اور یہ ایک ٹیلہ تھا جس کے نیچے اللہ نے چشمہ جاری کر دیا تھا۔ (دیکھئے سورۂ مریم آیت ۲۴) اس آیت کا اشارہ اسی مقام کی طرف ہے جو ان پریشان کن حالات میں اللہ کے فضل خاص سے ان کے لئے سکون و راحت کا ذریعہ بنا۔ بائبل میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا مقام بیت لحم بتلایا گیا ہے۔

۵۰۔ یہ حکم ہر رسول کو دیا گیا تھا اس لئے اس کو اس اسلوب میں بیان کیا گیا ہے کہ گویا تمام رسول مجتمع ہیں اور ان سے بیک وقت خطاب کر کے یہ ہدایت دی جارہی ہے۔ یہ بلاغت کا اسلوب ہے۔

پاک چیزیں کھانے کے مفہوم میں دو باتیں شامل ہیں۔ ایک یہ کہ وہی چیزیں کھائی جائیں جو شرعاً پاک ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کو جائز ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو۔

یہ حکم جب رسولوں کو دیا گیا تو ان کے پیروؤں پر آپ سے آپ لازم آتا ہے کہ اس کی اتباع کریں۔ حدیث میں اس آیت کی بہترین تشریح بیان ہوئی ہے:

اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّباً وَ اَنَّ اللّٰہَ اَمَرَ المؤمنینَ بِمَا اَمَرَ بِہِ المرسلین فَقَالَ یَا اَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَ اعْمَلُوْا صالحاً اِنِّی بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ وَ قَالَ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کلوا مِنْ طَیِّبات مَا رَزَقْنَاکُمْ ثُمَّ ذَکَرَ الرجُل یَطیل السَّفَرَ اشعث اَغْبَرَ یَمُدّیَدَیْہِ الی السَّمَاءِ یارَبِّ یارَبِّ و مطعمہٗ حرام و مشربہ حرامٌ وَ غُذِیَ بالحرام فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِکَ۔ (مسلم کتاب الزکاۃ)

''حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک چیزوں ہی کو قبول فرماتا ہے۔ اس نے مؤمنوں کو اس بات کا حکم دیا ہے جس کا حکم اس نے رسولوں کو دیا ہے۔ اس کا ارشاد ہے **یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَ اعْمَلُوْا صالحاً اِنِّی بِمَا تَعْمَلُوْنَ علیمٌ** (المؤمنون: ۵۱) اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، تم جو کچھ کرتے ہو اس کو میں جانتا ہوں۔'' نیز فرمایا **یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاکُم** (بقرہ۔۲۱) ''اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تمہیں دی ہیں۔'' راوی کہتا ہے پھر آپ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو (حج کے لئے) طویل سفر کرتا ہے، جس کے بال (سفر کی وجہ سے) پراگندہ اور غبار آلود ہو رہے ہیں۔ وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے ''اے میرے رب! اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا، اس کا پینا اور اس کا لباس سب حرام کا ہے اور حرام کھا کر وہ پلا ہے پھر اس کی دعا کس طرح قبول ہوگی؟'' (مسلم کتاب الزکوٰۃ)

آیت سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ پاک چیزیں کھانے میں اور نیک عمل کرنے میں گہرا ربط ہے چنانچہ صالح غذا صالح اعمال کی پرورش کرتی ہے۔

۵۱۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انبیاء، نوٹ ۱۳۳۔

۵۲۔ یہی بات سورۂ انبیاء آیت ۹۲ میں بھی بیان ہوئی ہے البتہ وہاں **فاتَّقُوْنِ** (تو مجھ سے ڈرو کی جگہ **فَاعبُدُوْنِ** (تو میری عبادت کرو) ارشاد ہوا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا کا خوف اور اس کی عبادت لازم و ملزوم ہیں۔ جو خدا سے ڈرتا ہوگا وہ لازماً اس کی اور صرف اس کی عبادت کرے گا۔ خدائے واحد کی عبادت نہ کرنا اس سے بے خوف ہو جانا ہے۔

۵۳۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انبیاء، نوٹ ۱۳۵۔

۵۴۔ یعنی ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کو لے کر بیٹھا ہے اور اپنی مذہب پرستی میں ایسا گم ہے کہ ہوش کے ناخن لینے کے لئے تیار نہیں۔ ہر فرقہ اپنے مذہب کے بارے میں ایسی عصبیت کا شکار ہے کہ وہ اپنے موقف پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہی نہیں کرتا۔ بڑے بڑے ''دانشوروں'' کا حال یہ ہے کہ جب مذہب کا معاملہ آتا ہے تو ان کی عقل ماری جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مذہبی رسوم کے طور پر صریح بے ہودہ کام کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔ ان کو جتنی محبت اپنے مذہب سے ہوتی ہے اتنی محبت اپنے خدا سے نہیں ہوتی، حالانکہ مذاہب کی ساری ہماہمی خدا ہی کے نام پر ہے۔

۵۵۔ جو لوگ اپنی غفلت ہی میں ڈوبے رہنا چاہتے ہیں اور داعی کی بات سننا نہیں چاہتے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا ہی مناسب ہے۔ عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جس چیز کو وہ ناؤ سمجھ بیٹھے تھے وہ کاغذ کی تھی۔

۵۶۔ یعنی وہ اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ اگر ہم کسی باطل مذہب کے پیرو ہوتے تو مال و اولاد کی جو فراوانی ہمیں حاصل ہے وہ نہ ہوتی، حالانکہ ان چیزوں کا کسی کو عطاء ہونا اس کے برسرحق ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ کیوں کہ ان چیزوں کے ذریعہ آزمائش مقصود ہوتی ہے مگر یہ لوگ اس کا الٹا مطلب لے لیتے ہیں۔

۵۷۔ یہ ہے خدا خوفی کا معیار مطلوب کہ آدمی نہ صرف اس سے ڈرے بلکہ اس کا خوف اس پر اس طرح چھا جائے کہ اس کی ہیبت وجلال سے وہ کانپ اٹھے اور اس کے عذاب کے تصور سے اس پر لرزہ طاری ہو۔ یہ ایک مؤمن کی اہم ترین صفت ہے اور یہ کوئی منفی چیز نہیں بلکہ زبردست طاقت پیدا کرنے والی چیز ہے۔ ایسی طاقت کہ پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے جھکا نہیں سکتی اور فرعون کو بھی منہ کی کھانا پڑتی ہے۔

۵۸۔ یعنی جو صدقہ وخیرات بھی وہ کرتے ہیں اس پر اطمینان کا سانس نہیں لیتے کہ ہم اپنی ذمہ داری سے بری ہو گئے، بلکہ یہ سب کچھ کرتے ہوئے بھی وہ اپنے رب کے حضور جوابدہی کے تصور سے ڈرتے رہتے ہیں کہ معلوم نہیں یہ عمل اللہ کے ہاں خالص ثابت ہوگا یا نہیں اور وہ اپنے قصوروں پر گرفت سے بچ سکیں گے یا نہیں۔ ان کے دل کی یہ کیفیت صدقہ وخیرات ہی کے معاملہ میں نہیں ہوتی بلکہ نیکی کے دوسرے کاموں میں بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ: حضرت عائشہ کے اس سوال کے جواب میں کہ کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا یا بنت الصدّیقِ و لٰکنَّھُم الَّذِیْنَ یَصُومُونَ ویُصَلُّونَ وَیَتَصَدَّقُوْنَ وَھُمْ یَخافُوْنَ اَنْ لَا تُقْبَلَ مِنْھُمْ۔ (ترمذی۔ کتاب التفسیر)

''نہیں اے بنت صدیق! اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں اس کے باوجود ڈرتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ یہ قبول نہ کیا جائے۔''

آیت میں خاص طور سے صدقہ کے معاملہ میں اس قلبی کیفیت کا ذکر ہوا ہے۔ کیونکہ صدقہ کرنے والا ریا، نمائش اور فخر کے فتنہ کا باآسانی شکار ہو جاتا ہے۔

۵۹۔ یعنی ان اوصاف کے لوگ نہ صرف خیر کے کاموں میں سرگرم رہتے ہیں بلکہ دوسروں کے مقابلہ میں تیز دوڑ کر ان کو پالینے کی کوشش کرتے ہیں۔ گویا بازی جیتنے کے لئے اصل میدان نیکی کا ہے نہ کہ مادی ترقی اور کھیل کود وغیرہ کا۔

۶۰۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورہ بقرہ، نوٹ ۴۸۲۔

۶۱۔ کتاب سے مراد انسان کا نامۂ عمل ہے اور ینطق (وہ بولتا ہے) کا مطلب یہ ہے کہ وہ، بولتا ریکارڈ ہوگا۔

۶۲۔ ان کو ان کاموں سے دلچسپی نہیں جو اخلاقی لحاظ سے قابل قدر، خدا کے ہاں مقبول اور فلاح آخرت کے ضامن ہیں، بلکہ ان کو کچھ دوسرے کاموں ہی سے دلچسپی ہے۔ یہ تو کافروں کا حال بیان ہوا ہے۔ مگر موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا حال بھی عام طور سے عجیب ہے۔ کتنے ہی لوگوں کو میچ دیکھنے سے دلچسپی ہے لیکن نماز سے نہیں، جب کہ انہیں نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ میچ دیکھنے کا۔ واہیات فلمیں دیکھنے میں وہ پوری رات گزار دیتے ہیں یہاں تک کہ عین تہجد کے

وقت جو دعا اور عبادت کی مقبولیت کا وقت ہے ویڈیو دیکھنے میں مشغول رہتے ہیں۔ان کا دل درگاہوں میں اٹکا رہتا ہے جب کہ مؤمن کا دل مسجد میں۔یہ بدعات کا شاندار طریقہ پر اہتمام کریں گے مثلاً محرم کا شربت، کھچڑا، نیاز، گیارہویں، مولود اور میلاد النبی کا جلوس وغیرہ لیکن سنتِ نبوی سے کوسوں دور رہیں گے۔وہ فضول خرچی کریں گے اور نمائشی کاموں میں اپنی دولت لٹائیں گے۔لیکن بندوں کے حقوق ادا کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے جی چرائیں گے۔دنیا بھر کی کتابوں کو وہ پڑھیں گے مگر کتاب الٰہی کے مطالعہ کے لئے ان کے پاس وقت نہیں ہوگا۔ان کرتوتوں کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ آخرت کی فلاح ان ہی کے لئے ہے!

حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿٦٤﴾

۶۴ (وہ یہی کرتے رہیں گے) یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیں گے تو یہ چیخنے لگیں گے۔ ۶۳؎

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ ۚ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿٦٥﴾

۶۵ اب آہ وزاری نہ کرو۔ ہماری طرف سے تمہیں کوئی مدد ملنے والی نہیں۔

قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿٦٦﴾

۶۶ جب میری آیتیں تمہیں سنائی جاتی تھیں تو تم الٹے پاؤں بھاگ نکلتے تھے۔

مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿٦٧﴾

۶۷ گھمنڈ کرتے ہوئے۔ اس کو قصہ گوئی کے لئے مشغلہ بنا کر بکواس کرتے۔ ۶۴؎

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾

۶۸ کیا انہوں نے اس کلام پر غور نہیں کیا؟ ۶۵؎ یا ان کے پاس ایسی چیز آ گئی ہے جو ان کے اگلے باپ داداؤں کے پاس نہیں آئی تھی۔ ۶۶؎

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٦٩﴾

۶۹ یا یہ اپنے رسول کو پہچان نہ سکے اسلئے اس کے منکر ہو گئے! ۶۷؎

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلْ جَاۗءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٠﴾

۷۰ یا یہ کہتے ہیں کہ اسے جنون ہو گیا ہے ۶۸؎ نہیں بلکہ وہ ان کے پاس حق لے کر آیا ہے اور ان میں سے بہت سے لوگوں کو حق ہی ناگوار ہے۔ ۶۹؎

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَاۗءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧١﴾

۷۱ اور اگر حق ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو آسمان و زمین اور جو ان میں ہیں سب (کا نظام) درہم برہم ہو جاتا ۷۰؎ حقیقت یہ ہے کہ ہم ان کے پاس ان کو یاد دہانی کرانے والی چیز لائے ہیں اور وہ اپنی اس یاد دہانی سے رخ پھیرے ہوئے ہیں۔ ۷۱؎

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۚ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٧٢﴾

۷۲ کیا تم ان سے مال طلب کر رہے ہو؟ ۷۲؎ تمہارے لئے تو تمہارے رب کا دیا مال ہی بہتر ہے اور وہ بہترین رازق ہے۔

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٣﴾

۷۳ اور بے شک تم انہیں سیدھی راہ کی طرف بلا رہے ہو۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿٧٤﴾

۷۴ اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ ۷۳؎

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٥﴾

۷۵ اگر ہم ان پر رحم کریں اور ان کی تکلیف دور کریں تو یہ اپنی سرکشی میں ڈھیٹ ہو کر بھٹکتے رہیں گے۔ ۷۴؎

۶۳؎ خوش حال لوگوں کو عذاب میں پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ کافر قوم پر جو عذاب آئے گا اس میں خوشحال لوگ نشانہ پر ہوں گے، کیوں کہ سوسائٹی میں فساد کو پھیلانے والے یہی لوگ تھے۔ وہ دادعیش دیتے رہے اور اپنی دولت کو حق کی راہ سے روکنے کیلئے استعمال کرتے رہے۔

(ملاحظہ ہو سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۶ نوٹ ۲۰)

۶۴؎ اشارہ ہے مشرکین مکہ کی اس حرکت کی طرف کہ وہ رات میں قصہ گوئی کی مجلسیں جما کر غرورِ نفس کے ساتھ قرآن کو جھٹلاتے ہیں اور اس کے خلاف خوب بکواس کرتے ہیں۔

۶۵؎ اگر وہ اس کلام پر غور کرتے تو ان پر یہ حقیقت کھل جاتی کہ یہ کلام الٰہی ہے اور پھر وہ اس کی قدر کرتے، مگر انہوں نے غور وفکر کے بغیر ایک متعصّبانہ رائے اس کے بارے میں قائم کی ہے۔

یہ آیت بھی قرآن پر غور وفکر کی دعوت دیتی ہے اور یہ دعوت منکرین کو دی گئی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن عوام وخواص سب کے سمجھنے کے لئے نازل ہوا ہے اور وہ سب کو دعوتِ فکر دیتا ہے۔ لہٰذا یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ یہ کتاب صرف علماء کے سمجھنے کے لئے ہے۔ موجودہ زمانہ میں ترجموں کی مدد سے قرآن کو سمجھنے کی آسانیاں پیدا ہوگئی ہیں لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ آدمی اس کا مطالعہ نہ کرے۔ جو لوگ یہ کہہ کر کہ قرآن کو سمجھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، عام مسلمانوں نیز غیر مسلموں کو اس سے دور رکھنا چاہتے ہیں وہ اپنی جہالت کا ثبوت دیتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ قرآن سے ان کا راست تعلق قائم ہو جائے۔

۶۶؎ یعنی ان کی طرف رسول کی بعثت کوئی ایسا واقعہ نہیں جو تاریخ میں پہلی مرتبہ پیش آیا ہو اور ان سے پہلے کے لوگ اس سے نا آشنا رہے ہوں۔ ابراہیم و اسمٰعیل رسول ہی تھے جو ان (عربوں) کے جداعلیٰ ہیں۔ اور وحی الٰہی کی ہدایت ہی پر انہوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی اور حج کے مناسک مقرر کئے تھے۔ پھر وحی اور رسالت کو انوکھی بات سمجھنے کی وجہ؟

۶۷؎ یعنی یہ بات بھی نہیں ہے کہ ان کو اپنے رسول کے پہچاننے میں دشواری ہو رہی ہے، کیوں کہ رسول کی شخصیت کا ان کو اچھی طرح تجربہ ہو چکا ہے۔ اس کی صداقت ان پر اچھی طرح عیاں ہے اور اس کی شخصیت میں رسالت کی نشانیاں اس طرح نمایاں ہیں کہ کسی طرح شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

۶۸؎ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ حجر نوٹ ۸؎۔

۶۹؎ ان کے انکار کی اصل وجہ یہی ہے کہ حق ان کو پسند نہیں کیوں کہ وہ ان کی خواہشات کے مطابق نہیں۔

۷۰؎ کائنات کا نظام حق کی بنیاد پر چل رہا ہے اگر وہ لوگوں کی خواہشات کی بنیاد پر چلنے لگے تو درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ کیوں کہ لوگوں کی خواہشات غلط بھی ہوتی ہیں متناقض (متضاد) بھی اور خلاف عدل بھی۔ اس دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص یا کوئی گروہ جو برسر اقتدار آتا ہے کامیابی کے ساتھ حکومت نہیں چلا پاتا۔ کیوں کہ مختلف خواہشات اور متضاد آراء حق وعدل کی جگہ لے لیتی ہیں۔ نتیجہ یہ کہ سوسائٹی اور نظام حکومت میں بگاڑ ہی بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے انسان کو حقیقت پسند بننا چاہئے اور حقیقت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی خواہشات کو حق کا تابع بنائے نہ کہ اس بات کا طالب ہو کہ حق اس کی خواہشات سے مطابقت پیدا کرے۔ مشرکین حق کو شرک کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں، جب کہ شرک باطل خواہشات کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اور توحید بالکل حق اور کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔

۷۱؎ یعنی قرآن ان کے لئے سرتاسر یاددہانی اور نصیحت ہے جو ان ہی کی خیر خواہی کے لئے ہے۔ مگر جو چیز انکی اپنی خیر خواہی کیلئے نازل ہوئی ہے اسی سے وہ منہ موڑ رہے ہیں۔

۷۲؎ یعنی (اے پیغمبر) تم ان سے کوئی مال تو طلب کر نہیں رہے ہو کہ وہ یہ شبہ کرنے لگیں، کہ یہ شخص کاہنوں (نجومیوں) کی طرح مال بٹورنے کیلئے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔

بقیہ صفحہ ۱۱۵۱ پر

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾

۷۶ ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا مگر نہ وہ اپنے رب کے آگے جھکے اور نہ انہوں نے عاجزی کی۔ ۷۵

حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾

۷۷ یہاں تک کہ جب ہم سخت عذاب کا دروازہ ان پر کھول دیں گے تو اس (حالت) میں وہ بالکل مایوس ہو کر رہ جائیں گے۔ ۷۶

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

۷۸ وہی ہے جس نے تمہارے لئے کان، آنکھ اور دل بنائے، مگر تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔ ۷۷

وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾

۷۹ اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور اسی کی طرف تم اکٹھا کئے جاؤ گے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾

۸۰ اور وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ رات اور دن کا الٹ پھیر اسی کے اختیار میں ہے۔ پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ۷۸

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱ مگر انہوں نے وہی بات کہی جو اگلے لوگ کہہ چکے ہیں۔

قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾

۸۲ کہتے ہیں کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو ہم کو پھر اٹھایا جائے گا؟

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳ یہ وعدہ ہم سے کیا جا رہا ہے اور اس سے پہلے ہمارے باپ دادا سے بھی کیا گیا تھا ۷۹۔ یہ محض اگلوں کے افسانے ہیں۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴ ان سے پوچھو اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ زمین اور اس میں بسنے والے کس کی ملک ہیں؟

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵ وہ کہیں گے اللہ کی۔ کہو پھر تم کیوں یاد دہانی حاصل نہیں کرتے!

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾

۸۶ ان سے پوچھو ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾

۸۷ وہ کہیں گے اللہ ۸۰۔ کہو پھر تم (اس سے) ڈرتے نہیں؟

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾

۸۸ ان سے پوچھو اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا؟

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾

۸۹ وہ کہیں گے یہ باتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ کہو پھر تمہاری عقل کہاں ماری جاتی ہے!

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

۹۰ حقیقت یہ ہے کہ ہم ان کے سامنے حق لائے ہیں اور یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ ۸۱

۷۵۔ مراد وہ مصیبت اور تکلیف ہے جس میں ایک نبی کی بعثت کے بعد اس کی کافر قوم کو اس لئے مبتلا کیا جاتا ہے تا کہ وہ ہوش میں آجائے۔قرآن میں یہ سنت الٰہی متعدد مقامات پر بیان ہوئی ہے مثلاً:

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ۔(اعراف:۹۴)

''اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی نبی بھیجا اس کے باشندوں کو تنگی اور تکلیف میں مبتلا کیا تا کہ وہ عاجزی کریں۔''

اور ایک جگہ یہ تنبیہ بھی کی گئی ہے کہ انہیں بڑے عذاب سے پہلے دنیوی عذاب کی گرفت میں لے لیں گے تا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع ہوں۔ السجدہ کی آیت ہے۔

وَ لَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ۔(السجدہ : ۲۱)

''ہم انہیں عذابِ اکبر سے پہلے عذاب ادنیٰ کا مزا چکھائیں گے تا کہ وہ رجوع کریں''۔

کفار مکہ بھی اس سنت الٰہی کی زد میں آ گئے تھے۔روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں قحط اور بھوک کی شدید تکلیف سے گذرنا پڑا۔

۷۶۔ ''عذاب ادنیٰ'' تو ان کے سنبھلنے کے لئے ہے لیکن اگر انہوں نے اس سے کوئی سبق نہیں لیا تو وہ پھر تباہ کن عذاب کی گرفت میں آ جائیں گے، جو ان کے لئے دائمی محرومی اور مایوسی کا باعث ہوگا۔

۷۷۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ نحل نوٹ ۱۱۵۔

۷۸۔ یعنی اگر تم اپنی عقل کا صحیح استعمال کرو تو توحید اور آخرت پر ایمان لے آؤ جس کی دعوت قرآن پیش کر رہا ہے۔

۷۹۔ اس میں یہ اعتراف موجود ہے کہ دوبارہ اٹھائے جانے کی بات ایسی نہیں جس سے ہم آشنا نہ ہوں، اور اب پہلی مرتبہ ہمارے سامنے آئی ہو، بلکہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ بات پہلے سے چلی آ رہی ہے، اور یہ وعدہ ہمارے باپ دادا سے بھی کیا گیا تھا۔ظاہر ہے یہ وعدہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل سے نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا رہا ہے۔

۸۰۔ مشرکین مکہ کے اس جواب سے واضح ہوتا ہے کہ سات آسمانوں اور عرش عظیم کے وجود کے نہ صرف وہ قائل تھے، بلکہ اللہ ہی کو اپنا رب مانتے تھے اور یہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل ہی کی تعلیم کا اثر ہوسکتا ہے۔اس بنیادی حقیقت کو ماننے کو باوجود وہ شرک کے قائل تھے۔یہ ان کے عقیدہ کا صریح تضاد تھا مگر وہ اس پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔اور عام طور سے یہی ہوتا بھی ہے کہ مذہب کے معاملہ میں انسان متضاد باتوں کا قائل ہو جاتا ہے، حالانکہ عقل سلیم متضاد باتوں کو قبول کرنے سے انکار کرتی ہے۔

۸۱۔ یعنی یہ حقیقتیں جن کا یہ انکار نہیں کر سکتے ،توحید کا واضح ثبوت ہیں۔ نیز انسان کے دوبارہ اٹھائے جانے کے لئے دلیل بھی۔ واضح ہوا کہ قرآن کی دعوت بالکل حق ہے اور اس سے انکار کرنے والے بالکل جھوٹے ہیں۔

بقیہ صفحہ ۱۱۴۹ سے آگے

۷۳۔ جو شخص بھی آخرت پر ایمان نہیں رکھتا وہ گمراہ ہے۔آدمی کے راہِ ہدایت کو پانے کے لئے ضروری ہے کہ وہ آخرت پر ایمان لائے۔اور آخرت پر ایمان لانے میں قیامت کے دن اٹھایا جانا، اللہ کے حضور پیشی اور اعمال کی جزا وسزا سب پر ایمان لانا شامل ہے۔

۷۴۔ یعنی ان کی تکلیف کو اگر ہم دور کریں تو بجائے اس کے کہ وہ ہمارے شکر گزار ہوں سرکشی میں اور زیادہ بڑھتے چلے جائیں گے۔

اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اس وقت کفار مکہ کسی تکلیف میں مبتلا کر دئے گئے تھے۔روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تکلیف بھوک مری کی تھی۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾

۹۱ اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا ۸۲۔ اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی خلق کو لے کر الگ ہو جاتا اور وہ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے ۸۳۔ پاک ہے اللہ ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾

۹۲ غیب اور حاضر کا جاننے والا۔ بالاتر ہے وہ ان کی مشرکانہ باتوں سے۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾

۹۳ دعا کرو اے میرے رب! اگر تو مجھے عذاب دکھا دے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾

۹۴ تو اے میرے رب! مجھے اس ظالم گروہ میں شامل نہ کر۔ ۸۴۔

وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾

۹۵ اور بیشک ہم اس بات پر قادر ہیں کہ جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ تمہیں دکھا دیں۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾

۹۶ برائی کو اس طریقہ سے دور کرو جو بہتر ہو۔ وہ جو باتیں بناتے ہیں ان کو ہم خوب جانتے ہیں۔ ۸۵۔

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾

۹۷ اور دعا کرو اے رب! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ ۸۶۔

وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

۹۸ اور اے میرے رب! اس بات سے بھی میں پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آ موجود ہوں۔ ۸۷۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾

۹۹ (ان کا یہی حال رہے گا) یہاں تک کہ جب کسی کی موت آ کھڑی ہوگی تو وہ کہے گا اے میرے رب! مجھے واپس بھیج دیجئے۔

لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰ تاکہ جو کچھ میں نے چھوڑا ہے اس میں نیک کام کروں۔ ہرگز نہیں۔ یہ تو محض ایک بات ہے جو یہ کہہ رہا ہے ۸۸۔ اور ان کے آگے ایک برزخ ہوگی ۸۹۔ اس دن تک کیلئے جب وہ اٹھائے جائیں گے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱ پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان نہ رشتہ داریاں رہیں گی اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔ ۹۰۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲ اس وقت جن کی میزانیں بھاری ہوں گی وہی کامیاب ہوں گے۔ ۹۱۔

۸۲؎ اس سے مشرکین کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔خدا نے جب کسی کو بیٹا نہیں بنایا تو بیٹیاں بنانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔نیز اس سے عیسائیوں کے بھی عقیدہ کی تردید ہوتی ہے کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔

۸۳؎ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل،نوٹ ۵۷؎۔

۸۴؎ نبی ﷺ کو یہ دعا اس لئے سکھائی گئی تا کہ آپ اللہ کے عذاب سے خائف رہیں کہ یہی شانِ بندگی ہے۔

۸۵؎ یعنی یہ لوگ تمہارا جو مذاق اڑاتے ہیں اس کا کوئی اثر قبول نہ کرو۔ان کے شر کو زیر کرنے کا بہتر سے بہتر طریقہ اختیار کرو۔ظاہر ہے یہ طریقہ اصلاحی اور تعمیری ہی ہوسکتا ہے۔

۸۶؎ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حق کی مخالفت کا یہ طوفان جو اٹھ کھڑا ہوا ہے وہ شیطان کی شر انگیزیوں کا نتیجہ ہے۔وہ دشمن حق بھی ہے اور دشمن انسان بھی۔اس لئے وہ انسان کو حق کے خلاف اکساتا ہے اور جو لوگ اس کا اثر قبول کرتے ہیں وہ (His Master's Voice) بن جاتے ہیں۔یعنی اپنے اس سرپرست کی بولی بولنے لگتے ہیں۔ان کے وہ اعتراضات جو قرآن،پیغمبر اور دوسری زندگی کے بارے میں نقل ہوئے شیطان ہی کے اشاروں پر کئے گئے ہیں، جب کہ وحی الٰہی نے انسان کو اس بات سے خبردار کر دیا ہے کہ شیطان اس کا ازلی دشمن ہے۔لہٰذا جو شخص شیطان کے شر سے محفوظ رہنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ اس سے چوکنا رہے نیز اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے۔

۸۷؎ یہ اس بات کی دعا ہے کہ شیاطین میرے قریب بھی نہ پھٹکیں۔شیطانوں سے شدید نفرت ہی ان کے شر اور ان کے وسوسوں سے بچنے کا سبب بنتی ہے۔

رَبِّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ وَ اَعُوْذُبِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ۔

''اے میرے رب میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اے میرے رب میں اس بات سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آموجود ہوں''۔

اگر ایک مؤمن پورے شعور کے ساتھ یہ کلمات ادا کرتا ہے تو گویا وہ اپنے کو اللہ کی حفاظت میں دے دیتا ہے۔اور جو شخص اپنے کو اللہ کی حفاظت میں دیدے کوئی وجہ نہیں کہ اللہ اس کو اپنی حفاظت میں نہ لے۔

اس ہدایت سے وہ لوگ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے جو شیطان کے وجود ہی کے قائل نہیں ہیں۔ان مادہ پرستوں پر شیطان کا جادو ایسا چل گیا ہے کہ ان کا اپنا وجود ہی سب کچھ ہے۔اب ان کو کیا ضرورت کہ شیطان کے وجود کو تسلیم کرلیں!

۸۸؎ یعنی یہ ایک خالی خولی بات ہے ورنہ اگر اس کو دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تو وہاں پھر وہ وہی کام کرے گا جو پہلے کرتا رہا ہے۔مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انعام نوٹ ۴۸؎۔

۸۹؎ برزخ کے معنی روک اور آڑ کے ہیں۔موت کے بعد روحیں جہاں منتقل ہوتی ہیں،اور وہ دنیا اور آخرت کے درمیان کا عالم ہے جو ایک روک اور پردہ ہے۔اس لئے اسے برزخ کہتے ہیں اور حدیث میں ان احوال کو جو موت کے بعد روح پر گزرتے ہیں قبر کے احوال سے تعبیر کیا گیا ہے جو انسانی نفسیات کے لحاظ سے ایک مؤثر تعبیر ہے،ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو قبر میں دفن ہوا اس پر تو یہ احوال گزرے ہیں اور جو قبر میں دفن ہی نہیں ہوا بلکہ جس کی لاش جلائی گئی یا کسی اور طریقہ سے ضائع کر دی گئی یا ممی بنا کر دنیا میں محفوظ کر دی گئی اس پر یہ احوال نہیں گزرتے۔مرنے کے بعد انسان کو قیامت کے دن تک عالم برزخ میں رہنا ہے۔قیامت کے دن اسے جسم سمیت پھر اٹھایا جائے گا اور یہ عالم آخرت ہوگا جہاں اسے ہمیشہ رہنا ہے۔

عالمِ برزخ میں روحوں کی منتقلی اس بات کی واضح تردید ہے کہ مرنے کے بعد انسان کسی نہ کسی روپ میں دنیا ہی میں چکر کاٹتا رہتا ہے۔یعنی آواگون کا نظریہ جو ایک بے بنیاد نامعقول اور متناقض نظریہ ہے۔ بقیہ صفحہ ۱۱۵۵/ پر

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳ اور جن کی میزانیں ہلکی ہونگی وہ وہی ہیں، جنہوں نے اپنے کو گھاٹے میں ڈالا ۹۲؎ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے۔

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴ آگ ان کے چہرے کو جھلس دے گی اور ان کے منہ بگڑے ہوئے ہوں گے۔ ۹۳؎

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵ کیا میری آیتیں تمہیں سنائی نہیں جاتی تھیں اور تم ان کو جھٹلاتے نہ تھے؟

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہماری بدبختی ہم پر غالب آ گئی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔ ۹۴؎

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷ اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال دے۔ اگر ہم پھر ایسا کریں تو ظالم ہوں گے۔

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸ فرمائے گا پڑے رہو اسی میں دھتکارے ہوئے اور مجھ سے بات نہ کرو۔ ۹۵؎

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹ ہمارے بندوں میں سے ایک گروہ ایسا تھا جو کہتا تھا کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے ہیں ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو بہترین رحم فرمانے والا ہے۔ ۹۶؎

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰ تو تم نے ان کو مذاق بنا لیا تھا۔ یہاں تک کہ اس مشغلہ نے میری یاد سے بھی تمہیں غافل کر دیا اور تم ان کی ہنسی اڑاتے رہے۔

اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱ آج ان کے صبر ۹۷؎ کا بدلہ میں نے یہ دیا، کہ وہی کامیاب ہو گئے۔

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

۱۱۲ پھر وہ پوچھے گا ۹۸؎ تم زمین میں کتنے سال رہے؟ ۹۹؎

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۳ وہ کہیں گے ایک دن یا ایک دن کا بھی کچھ حصہ۔ شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے۔ ۱۰۰؎

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

۱۱۴ فرمائے گا تم تھوڑی ہی مدت ٹھہرے رہے۔ کاش تم نے یہ بات جان لی ہوتی! ۱۰۱؎

۹۲۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورہ قارعہ، نوٹ ۷۔

۹۳۔ کتنا المناک اور کیسا ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا ! انسان سوچے تو اللہ کے عذاب سے پناہ مانگے۔

۹۴۔ یعنی جہنم میں پہنچ کر یہ کافر اپنی گمراہی کا اعتراف کریں گے اور اپنی قسمت کو روئیں گے۔

۹۵۔ یعنی اب تمہاری کوئی شنوائی ہونے والی نہیں۔ جو موقع عمل کا تھا وہ تم نے کھو دیا اب تو اپنے کئے کی سزا تم کو بھگتنا ہے۔

۹۶۔ یہ بڑی درد بھری دعا ہے جو اہل ایمان کی زبان سے اس وقت ادا ہوئی ہے جب کہ کافر انہیں اذیت پہنچا رہے تھے۔ انہوں نے ان مذاق اڑانے والوں سے کچھ نہیں کہا بلکہ اپنے رب ہی سے رحم کی درخواست کی۔

۹۷۔ یہاں صبر کے مفہوم میں حق پر استقامت، تکلیفیں برداشت کرنا اور اذیت دہ باتوں پر تحمل سے کام لینا شامل ہے۔

۹۸۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا جیسا کہ سیاق کلام (Context) سے ظاہر ہے۔

۹۹۔ یعنی دنیا میں تم نے کتنی مدت گزاری۔

۱۰۰۔ قیامت کے دن وہ جس دنیا میں قدم رکھیں گے اس کے احوال وظروف اس دنیا سے بالکل مختلف ہوں گے۔ اس وقت انہیں محسوس ہوگا کہ جو مدت انہوں نے دنیا میں گزاری وہ بہت مختصر تھی۔ زیادہ سے زیادہ ایک دن بلکہ اس سے بھی کچھ کم۔ اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانا ان کے لئے مشکل ہوگا۔ اس لئے وہ کہیں گے کہ اس کا صحیح جواب تو وہی دے سکتے ہیں جو اعداد وشمار کا علم رکھنے والے ہیں۔

۱۰۱۔ یعنی اگر دنیا میں تم نے یہ بات جان لی ہوتی کہ دنیا میں جو مدتِ عمر تم گزارو گے وہ آخرت کے مقابلہ میں بہت ہی مختصر ہے، تو تمہاری دنیا بدل گئی ہوتی اور تم اپنا قیمتی وقت برباد نہ کرتے۔

❑❑❑❑❑❑

بقیہ صفحہ ۱۱۵۳ سے آگے

۹۰۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن رشتہ داری کام نہیں آئے گی، کہ باپ بیٹے کے کام آئے یا بیٹا باپ کے اور نہ کوئی کسی کا حال پوچھنے والا ہوگا، کہ ہمدردی اور غمگساری کرے اور نہ ہی کوئی کسی سے مدد طلب کر سکے گا۔ ہر شخص کو اپنی نجات کی فکر لاحق ہوگی اور کسی کے لئے بھی یہ موقع نہیں ہوگا کہ وہ دوسرے کے لئے کچھ کر سکے۔ گویا قیامت کے دن نسل ونسب کے تمام رشتے بیکار ہو گئے ہوں گے۔ نجات کا ذریعہ ایمان اور عمل صالح ہی ہوں گے جیسا کہ بعد کی آیت سے واضح ہے۔

۹۱۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورہ قارعہ نوٹ ۶۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾

۱۱۵ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں بیکار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے؟ ۱۰۲؎

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶ تو (ایسی بات سے) بہت بلند ہے اللہ بادشاہ حقیقی ۱۰۳؎۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ عرش کریم کا مالک! ۱۰۴؎

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷ اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور خدا کو پکارے جس کے لئے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ یقیناً کافر کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔ ۱۰۵؎

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۸ دعا کرو میرے رب بخش دے رحم فرما اور تو بہترین رحم فرمانے والا ہے۔ ۱۰۶؎

۱۰۲؎ قرآن کا یہ سوال رہتی دنیا تک، ان تمام لوگوں سے ہے جو آخرت کے قائل نہیں۔ وہ بتائیں کہ آخرت اور جزا و سزا مستقبل کی حقیقتیں نہیں تو ایک اخلاقی حس رکھنے والی اور ذمہ داریوں کی حامل مخلوق کو پیدا کرنے کا کیا مقصد؟ اگر انسان کی تخلیق کی کوئی غائت نہیں ہے تو اس کی ساری ہما ہمی بے کار ہے۔ اگر مر کر ہمیشہ کے لئے مٹی ہونا ہے تو جینے کا کیا فائدہ؟ دنیا میں انسان طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتا ہے۔ اگر صبر کا کوئی پھل ملنے والا نہیں ہے تو تکلیف کی زندگی گزارنے کا کیا حاصل؟ کیوں نہ وہ اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کا خاتمہ کر دے؟ آج دنیا کے بڑے بڑے مفکر اور ''دانشور'' مسائل زندگی کو موضوع بحث بنائے ہوئے ہیں۔ لیکن زندگی کا جو سب سے زیادہ بنیادی مسئلہ ہے، یعنی اس کا اصل مقصد معلوم کرنا تو اس سے وہ بالکل بے پروا ہیں اور دانش و بینش سے کام نہیں لیتے۔

۱۰۳؎ یعنی اللہ کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کوئی بے مقصد کام کرے۔ یہ خیال کرنا کہ انسان جیسی اعلیٰ اور اشرف مخلوق کو اس نے بے مقصد اور بے غایت پیدا کیا ہے، اس کے مرتبہ سے اس کو فروتر خیال کرنا ہے۔

اللہ تو بادشاہ حقیقی ہے پھر وہ اپنی اس مخلوق سے جس پر ذمہ داریوں کا بار ڈالا گیا ہے، جوابدہی کے لئے اپنے حضور کیسے طلب نہیں کرے گا؟

۱۰۴؎ یعنی اس کا عرش بڑی شان والا ہے اور وہ اپنی پوری خدائی شان کے ساتھ کائنات پر حکومت کر رہا ہے۔ لہٰذا اس کی حکومت میں اندھیر نگری ہرگز نہیں ہو سکتی۔

۱۰۵؎ سورہ کا آغاز اس بات سے ہوا تھا کہ مؤمنوں نے فلاح پائی اور اختتام اس بات پر ہو رہا ہے کہ کافر کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔ اس سے اس سورہ کا مرکزی مضمون خود متعین ہو جاتا ہے۔

۱۰۶؎ اخیر میں دعائیہ کلمات کی تلقین اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ یہ دعا (رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ) فلاح و سعادت کی راہ کھولنے والی ہے۔